تحریک شہیدین

کے

اردو ادب پر اثرات

مؤلف

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ

ٹیگور مارگ، نزد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۴۲ھ-فروری ۲۰۲۱ء

نام کتاب:	:	تحریک شہیدین کے اردو ادب پر اثرات
مؤلف	:	مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
صفحات	:	۱۲۰
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
طباعت	:	نیو ورک لائن، لکھنؤ
قیمت	:	۹۰/روپے

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ

ٹیگور مارگ، نزد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

Mob: 9984778800

فہرست عناوین

	عناوین	نمبر صفحہ
۱	مقدمہ: (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ)	۷
۲	تقریظ : (مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی)	۱۲
۳	ایک تاثر تحریک شہیدین پر (حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی)	۱۴
۴	تعارف: (سید محمود حسن حسنی ندوی)	۱۸
۵	عرض مرتب: (مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری)	۲۵
۶	مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ	۲۸
۷	حضرت سید احمد شہیدؒ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نظر میں	۵۰
۸	مجدّدِ اسلام حضرت سید احمد شہیدؒ انوارِ شریعت و فیوضِ طریقت کا مجمع البحرین	۵۵
۹	شرفِ بیعت	۵۷
۱۰	انعاماتِ شبِ قدر	۵۷
۱۱	رتبۂ بلند	۵۹
۱۲	لشکر سے علیٰحدگی	۵۹
۱۳	شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خواب	۶۰
۱۴	رُجوعِ عام	۶۰
۱۵	تبلیغی اسفار	۶۱
۱۶	حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ کی بیعت	۶۲

۱۷	قیام رائے بریلی	۶۲
۱۸	سیّد صاحبؒ لکھنؤ میں	۶۲
۱۹	بنارس میں انوارِ ذکر	۶۳
۲۰	جہاد کے لئے بے چینی	۶۴
۲۱	رفقاء کی آپس میں گفتگو	۶۴
۲۲	حضرت سیّد صاحبؒ کا جواب	۶۴
۲۳	حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کا بیان	۶۵
۲۴	سفرِ حج	۶۷
۲۵	حرم محترم میں	۶۷
۲۶	ارضِ مقدس میں مقبولیت	۶۷
۲۷	بارگاہِ نبویؐ میں	۶۸
۲۸	زیاراتِ مقدسہ	۶۹
۲۹	واپسی	۶۹
۳۰	اقامتِ جہاد	۷۰
۳۱	شہادت	۷۰
۳۲	حضرت سیّد صاحبؒ کا فیض عام	۷۰
۳۳	حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا ادبی پہلو	۷۴
۳۴	معاشرہ کی زبوں حالی	۷۵
۳۵	اصلاح وتجدید کا کام	۷۶
۳۶	دہلی کا سفر	۷۶
۳۷	دوبارہ دہلی میں ورود	۷۷
۳۸	سید صاحب کی جماعت کی خصوصیات	۷۸
۳۹	تحریک کے اثرات	۷۸
۴۰	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۸۰

۴۱	مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان	۸۱
۴۲	ادب کی تاثیر	۸۱
۴۳	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا وعظ	۸۲
۴۴	''تقویۃ الایمان'' کی ادبی حیثیت	۸۲
۴۵	کسی زبان کی ترقی کا راز	۸۳
۴۶	''منصب امامت'' کی دلآویز عبارت	۸۴
۴۷	تحریک کے فروغ میں مولانا عبدالحی کا کردار	۸۴
۴۸	مولانا عبدالحیؒ کی اثر انگیز تقریر:	۸۵
۴۹	شاہ ہدایت علی جے پوریؒ	۸۶
۵۰	حضرت شید احمد شہید سے روحانی نسبت	۸۷
۵۱	سرسید احمد خان پر تحریک کے اثرات	۸۸
۵۲	''تہذیب الاخلاق'' کا اجراء	۸۹
۵۳	نظم وقصائد پر تحریک کے اثرات	۹۰
۵۴	حرف آخر	۹۱
۵۵	حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اوران کا اردو کلام ''مثنوی نور سلک'' کے آئینہ میں	۹۲
۵۶	تمہید	۹۲
۵۷	قلعہ معلی دہلی کی حالت	۹۳
۵۸	بدعات وخرافات کی کثرت	۹۴
۵۹	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۹۵
۶۰	شاہ صاحب کا امتیازی وصف	۹۶
۶۱	دعوت وارشاد میں سرگرمی	۹۶
۶۲	''تقویۃ الایمان'' کی تاثیر اور اس کی ادبی حیثیت	۹۸
۶۳	آپ کی شاعری کا تذکرہ	۹۸

٦٤	مثنوی سلک نور	٩٩
٦٥	مجموعہ کلام کی تفصیل	٩٩
٦٦	شاہ صاحب کا اردو کلام مثنوی سلک نور	٩٩
٦٧	اسلامی ادب کا خاص مقصد	١٠٠
٦٨	مثنوی سلک نور کی نمایاں خصوصیات	١٠٠
٦٩	کون ومکاں اور مثنوی سلک نور	١٠١
٧٠	شاعر کا مقصود	١٠٣
٧١	اسلام میں زبان وادب کی اہمیت	١٠٢
٧٢	جمال محمدی کا بیان	١٠٦
٧٣	مثنوی کا آغاز	١٠٨
٧٤	ادب کب معیاری ہوتا ہے	١٠٩
٧٥	حرف آخر	١١١
٧٦	مجدد اسلام حضرت سید احمد شہیدؒ	١١٢
٧٧	مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ	١١٣
٧٨	شہیدان بالاکوٹ	١١٧
٧٩	مدحت سبط قسیم کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	١١٩

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ و الصلوۃ و السلام علی سیدنا رسول اللہ محمد و آلہ و صحبہ أجمعین!

ادب اسلامی یوں تو کوئی نیا عنوان نہیں ہے لیکن ذہنوں میں اس کو اس طرح جگہ نہیں ملی جس طرح جگہ ملنی چاہئے، بعض ذہن ادب کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگنے سے کچھ تعجب محسوس کرتے ہیں اور ان کو اس میں ایک محدود اور تنگ تصور کا احساس ہوتا ہے، رابطہ ادب اسلامی نے اسلامی ادب پر بحث و مذاکرے اور مضامین سے ان شکوک و شبہات کو کم کرنے کی کوشش کی اور الحمدللہ خاصی حد تک کامیابی ہوئی، اس سے قبل رابطہ نے دو سال کی مدت میں جن موضوعات پر مذاکرہ علمی منعقد کئے ان میں (۱) ادب اسلامی کا تصور (۲) اسلامی ادب میں سوانح نگاری افسانہ نگاری اور تنقید (۳) اسلامی ادب میں طنز و مزاح (۴) اسلامی ادب اور مغربی ادبی تحریکات کے موضوعات رہے ہیں، ان مذاکرہ موضوعات میں ادب کے اچھے فضلاء نے حصہ لیا اور بیش قیمت مضامین پڑھے۔ ان کے بعد ایک اہم علمی ادبی کانفرنس ''اردو زبان و ادب پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا اثر'' کے موضوع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوئی جس کو ہندوستان کی متعدد دانش گاہوں کے مؤقر اساتذہ اور ملک کے متعدد سربرآوردہ اصحاب علم و ذوق نے ہمارے اس محفل کو زینت بخشی۔

اس موقع پر باقاعدہ علمی مجلس ابھی تک منعقد نہیں کی گئی اور نہ اس پر اہل علم و ذوق نے زیادہ کاوشیں صرف کیں لیکن یہ موضوع اہم موضوع ہے، کیونکہ برصغیر کے مسلمانوں پر بلکہ ان کے علاوہ دیگر اہل مذاہب کی عمومی زندگی اور ان کی مشترکہ زبان اردو پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد نے خاصا اثر ڈالا ہے، زبان زندگی کو متاثر کرنے کا ذریعہ ہوتی

ہے اور زندگی کی ترجمانی کا وسیلہ بھی اور یہ بات گذشتہ دو صدی کی مدت میں اس پورے برصغیر میں سب سے زیادہ اردو کو حاصل رہی ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس کے شروع عہد میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد سے سرشار لوگ برصغیر کے طول و عرض اور اس کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق یہاں کے لوگوں میں کام کیا، تقریر و وعظ، تصنیف و تالیف اور تربیت کے مختلف ذرائع اختیار کیے، ان کے پیش نظر چونکہ اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنی تھی لہٰذا اسی کے لئے انہوں نے اپنی علمی و ادبی صلاحیتوں کو استعمال کیا، انہوں نے سامعین و قارئین کی علمی و ادبی سطح کا خیال کیا اور ان کی زندگی کی عملی صورتحال کو پیش نظر رکھا اور بات اس طرح کہنے کی کوشش کی کہ ان کے دل میں اتر جائے، یہی وہ نوعیت ہوتی ہے جو ایک ادیب میں اچھا ادب اور ایک صاحب علم میں اچھا علم پیش کرنے کی صلاحیت ابھارتی ہے اور علم و ادب کے سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے قبل اردو مرصع و مسجع اسلوب سے بوجھل تھی اس بوجھ کے ساتھ مخاطبین میں مؤثر و زور اثر کام انجام نہیں دیا جا سکتا تھا، لہٰذا! فطری بات تھی کہ اس عظیم اصلاحی تحریک کے اہل قلم و زبان آسان اور زیادہ سمجھا جانے والا اسلوب اختیار کریں اور چونکہ یہ حضرات ملک کے طول و عرض میں پھیلے اور عامۃ الناس کی بڑی تعداد پر اثر انداز ہوئے اس لئے ان کے اثر سے اردو زبان و ادب کے اسلوب میں ایک موڑ کا آنا بالکل فطری تھا اور وہ آیا، پھر اس کے اثرات عرصہ تک جاری رہے، متعدد اہل علم کی تحریریں اور تصنیفات اس کی گواہ ہیں۔

تحریک خلافت اور تحریک آزادی نیز برصغیر کی اصلاحی کوششیں ہیں ان میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے بڑی رہنمائی اور اس کے ادب سے طاقت ملی، یہ مذاکرہ علمی ان ہی امور کے سلسلہ میں بحث و مذاکرہ کرنے کے لئے رابطہ ادب اسلامی کے زیر سرکردگی منعقد کیا گیا تھا، رابطہ ادب اسلامی کے قیام کا فیصلہ ۱۹۸۴ء مکہ مکرمہ کی ایک مجلس میں کیا گیا جس میں مختلف اسلامی ملکوں کے فضلاء و اساتذہ ادب شریک ہوئے تھے، اور پھر باقاعدہ ایک بڑے اجتماع میں جو ہمارے اس دار العلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا تھا، اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا،

اور پھر ۱۱ / ۱۲ رنومبر ۱۹۸۷ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اردو زبان وادب پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات کے موضوع سیمینار ہوا، اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت کے لوگوں نے اپنے گفتار و کردار سے اردو کے فروغ اور ارتقاء میں بڑا حصہ لیا۔

اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے دینی جذبہ کو عام کرنے اور انقلاب لانے کے لئے زبان اور بیان کو نظر انداز نہیں کیا یہاں تک کہ عین میدان جنگ میں بھی شاعری کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا۔" مزید سیمینار کے موضوع کی مناسبت سے کہا کہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے اردو زبان وادب کو بڑا فائدہ پہونچا، شاہ عبدالقادر دہلوی کے اردو ترجمہ قرآن مجید کو بھی اس سے بڑا فائدہ پہونچا، جو سید صاحب کے مربیوں میں تھے، اور اس ترجمہ نے عوام میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا، زبان کو اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے کہ وہ تحریک کی زبان بن جائے، اس موقع پر بعض فاضل ومقتدر شخصیات اور مخلص احباب نے یہ تجویز پیش کی کہ ندوۃ العلماء ایک ایسا شعبہ قائم کرے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے ساتھ خاص ہو، اور اس میں ان الزامات کا جائزہ لیا جائے جو اس تحریک پر عائد کئے گئے ہیں، اور مقالات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہندوستان میں آزادی کی لہر چلی اور اس میں تیزی آئی، وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی انقلابی تحریک کی دین ہے، اس تحریک کے بعد اردو زبان میں بہت زیادہ کام ہوا، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے یہ تجویز رکھی کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر ایک مذاکرہ ہونا چاہئے، آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اختتامی تقریر میں فرمایا کہ اس سیمینار میں جو روحانیت اور خیر و برکت کی بات محسوس ہوئی وہ دوسرے سیمیناروں میں نہیں ہوئی، اس کا جب یہ حال ہے تو اس جماعت نے زبان وادب پر جو اثر ڈالا اس کی کیا تاثیر ہوگی۔

اس علمی ادبی اجتماع میں جو اہم مقالات پیش کئے گئے ان میں عزیزم مکرم مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مقالہ بھی تھا اور مرکز توجہ تھا، جو ماہنامہ "ذکر و فکر" نئی دہلی اور "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شائع بھی ہوا، جو اب کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے، اس کی افادیت اور عام ہوگی عزیز موصوف نے اور مضامین کو شامل کر کے

اس کو اور زیادہ قابل استفادہ بنایا ہے۔

جہاں تک حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید بن شاہ عبدالغنی بن حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کا تعلق ہے، جن کی مثنوی ''سلک نور'' کو موضوع بنا کر فاضل مقالہ نگار نے ان کی شخصیت، مقام اور خدمات کو بھی اچھے انداز میں پیش کیا ہے، ان کے سلسلے میں جو حق تلفی اور احسان ناشناشی بلکہ فراموشی کا جو معاملہ سامنے آیا، اس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے ایک اقتباس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، جو اردو ادب کا بھی شاہکار ہے اور جس سے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی اصلاحی، تجدیدی دعوتی، علمی و ادبی حیثیت پر بھی اچھی روشنی پڑتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مولانا کی دوسری فضیلتیں تو رہیں برطرف، ان کی شہادت مسلم ہے اور شہداء کی مغفرت مسلم، لیکن ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر آج تک کم وبیش ۱۳۶ برس کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی ایسا دن طلوع ہوا ہو، جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی تکفیر و تضلیل کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت اور سب وشتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں، جو اس کے کفر کے ثبوت میں پیش نہ کی گئی ہو، وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا، یہ ان لوگوں نے کہا، جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر (کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر؟) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی! یہ ان لوگوں نے کہا، جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لئے اس نے سر کٹایا، کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، سکھ اپنے گھروں میں مسلمان عورتیں ڈال لیتے تھے، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے، اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی کے مدعی کہاں تھے؟۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری زید توفیقہ (عمید کلیۃ الدعوہ والاعلام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) لائق تہنیت ہیں کہ انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے قوت بازو اور جان نثار رفیق وخلیفہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک دعوت واصلاح اور اس کے اثرات خاص طور پر اردو زبان وادب پر اثرات کے موضوع پر ایک مفید کام پیش کیا ہے، اور ان دونوں شخصیتوں کے متعلق بعض اہم مضامین کا اضافہ کیا ہے، جس سے نہ صرف حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ اور ان کی عظمت سامنے آتی ہے، بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نظر میں ان کا کیا مقام ومرتبہ تھا، وہ بھی سامنے آتا ہے، اور وہ مضمون بھی قابل ذکر ولائق مطالعہ ہے جس سے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت پر اور ان کی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ مثالی رفاقت پر اچھی روشنی پڑتی ہے اور اس میں انہوں نے ان کی شخصیت پر کام کرنے والی دو عظیم المرتبت شخصیتوں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) مصنف ''سیرت سید احمد شہید'' ''کاروان ایمان وعزیمت'' وغیرہ اور مولانا سید انور حسین نفیس رقم نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸ر فروری ۲۰۰۸ء) ناشر وقائع سید احمد شہید ومکاتیب سید احمد شہید ورسالہ اشغالؒ وغیرہ کی تحریروں اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس طرح یہ ایک اچھی کتاب بن گئی، جو اس تحریک کا اچھا تعارف بھی پیش کرتی ہے، اور ہماری عظمت رفتہ کی کہانی بھی سناتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی یہ علمی وادبی اور دعوتی خدمات زیادہ سے زیادہ نفع کا باعث ہو اور ذخیرہ آخرت وترقیٔ درجات ہو، آمین۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
اتوار یکم رجب المرجب ۱۴۴۲ھ
۱۴ر فروری ۲۰۲۱ء

تقریظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرید خاص حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دین اور جہاد کے احیاء کی جو کوششیں کیں اور اس تحریک کے جو اثرات معاشرہ پر مرتب ہوئے اور ہر شعبۂ حیات پر جو اثرات پڑے، ان سے کوئی بھی محروم نہ رہا، ایسی ہمہ گیر تحریک برپا ہوئی جو باد بہاری بن کر چھا گئی۔

اس تحریک نے جہاں مسلم معاشرہ میں دینی وایمانی انقلاب پیدا کیا، بدعات، غلط رسوم اور معاشرہ میں پیدا ہو جانے والی مسموم فضا کو صاف کیا، وہیں زبان وادب اور شاعری کو بھی نئی جہت عطا کی، بوجھل الفاظ اور طرز ادا کو بدلا، آسان زبان کو اختیار کیا، جس کی وجہ سے عوام سے رابطہ ہوا اور اردو نثر وشاعری کو عوام تک پہنچایا اور اس کے ذریعہ سے اصلاح عقائد کا کام کیا۔

مولانا محمد خالد صاحب غازیپوری ندوی (عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام، دار العلوم ندوۃ العلماء) نے اپنی کتاب میں تحریک شہیدین کا جائزہ لیا ہے اور اردو زبان وادب پر جو اثرات پڑے ان کو بیان کیا ہے، اس طرح یہ مختصر کتاب اس موضوع پر ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، انہوں نے ایک راہ کھولی ہے جس سے آئندہ اس موضوع پر تحقیق کا کام کرنے والوں کا راستہ آسان ہو گیا ہے۔

زبان وادب میں جو تبدیلیاں اس تحریک سے وابستہ افراد کے قلم سے ہوئیں ان کی مزید تحقیق کی ضرورت ہے، ابھی بہت سے پہلو تشنہ ہیں اور اس تحریک سے وابستہ بہت سے

افراد پردۂ گمنامی میں ہیں جن کی کاوشیں اور خدمات ابھی تک سامنے نہیں آئی ہیں اور اس پر جتنا کام ہونا چاہیئے تھا، نہیں ہوا ہے، اردو ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے بھی اپنا تحقیقی فریضہ پوری طرح انجام نہیں دیا ہے، صرف مشہور ادبی ہستیوں اور شاعروں کے حالات لکھ کر اپنا دامن چھڑا لیا ہے۔

مولانا محمد خالد صاحب غازیپوری ندوی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور تحقیق کی راہ کھولی ہے، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنو
۲۶ر جمادی الآخرہ ۱۴۴۲ھ
۹ر فروری ۲۰۲۱ء

ایک تاثر تحریک شہیدین کے بارے میں

حضرت مولانا سید احمد شہید اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہا اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ کے خاندان میں اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں عارف باللہ اور عبقری امام جناب شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی، وہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے پوتے اور ان کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے قابل فخر شاگرد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فراست ایمانی، عقیدہ میں رسوخ اور دین میں استقلال و پامردی عطا کی تھی، جب کہ یہ پختگی اور صلابت، علماء وصلحا اور صوفیاء میں کم نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اور علم باطن سے بھی ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا، وہ اپنے اس علم کے ذریعہ خیر وشر میں تمیز کرنے اور حق و باطل اور سنت و بدعت کے فرق کو سمجھنے میں مدد لیا کرتے تھے۔

دین کی خدمت، بدعت کے ازالہ اور سنت کی ترویج کے لئے ان کی سرگرمیوں نے اہل علم اور عوام کے اندر ان کے قد کو بلند کیا، انہوں نے ان امور کی انجام دہی کے لئے اپنی تمام سعی وکوشش صرف کی، اور اپنی آخری عمر میں انہوں نے دشمنان اسلام کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے، انہوں نے اس راہ میں بڑی جواں مردی اور عزم وحوصلہ کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ بالاکوٹ کے میدان میں اپنے خاندان ووطن سے دور پہاڑ کی چوٹیوں میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اپنے دور کے مسلمانوں کی زندگیوں کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ مسلمان اپنی اصل متاع کو کھو چکے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے ان کا کوئی واسطہ اور ربط باقی نہیں رہا، اور وہ خرافات و بدعات اور گمراہیوں میں غرق ہو چکے ہیں، حالت

یہ ہو چکی ہے کہ خود شیخ کے بعض اہل خاندان ان بعض غیر اسلامی رسوم ورواج سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا اور ان کے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے اس زمانہ کے ایک بڑے پیرومرشد اور عارف باللہ تک ان کو پہونچایا۔

شاہ صاحب نے ان کے نور ایمان سے فیض حاصل کیا اپنے ایمان کو تقویت پہونچائی ،اور اپنی ذات کو پہلے سے زیادہ فنائیت کے جذبہ سے لبریز کر دیا۔

اپنے نیک بندوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ باہم متعارف ہو جاتے ہیں تا کہ فساد کی اصلاح اور عدل کے قیام کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں ، اور لوگوں کو اپنے مذہب کے فرائض وواجبات سے آگاہ ومتنبہ کریں ، اللہ تعالیٰ نے شاہ اسماعیل صاحب کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کا تعلق کسی ایسے شیخ کامل سے ہونا چاہئے جس سے اپنے معاملات میں وہ رجوع کیا کریں ، اور ان کے سامنے اپنی ضروریات کو پیش کریں ، اور ان سے اپنی زندگی میں ایک نئی جان پیدا کریں ، اور ان سے طاقت وزندگی حاصل کریں ، تا کہ عمل دعوت میں یہ بات ان کی معاونت کر سکے ، اور زندگی کے میدان میں ان کے لئے یہ دست وبازو کا کام انجام دے۔

چنانچہ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اور ان سے اسلام کے دفاع وجہاد فی سبیل اللہ کے لئے بیعت کی ، اور ایک شاگرد کی طرح ان کی صحبت وخدمت میں رہے ، جب ان کی صلاحیتیں نکھر گئیں ، اور ان کے دل میں فنا فی اللہ اور دین کی خدمت کے جذبہ کی چنگاری فروزاں ہوگئی ، جس کے نتیجہ میں بے چینی ، بے کلی ، تڑپ اور قلق رات دن ان کا مقدر بن گئی اور ان کے دل کی بھٹی میں ہر لمحہ خدمت دین کی آگ بھڑکنے لگی ، اس وقت وہ تبلیغ اسلام اور اصلاح حالات ، تربیت نفوس میں اور زیادہ طاقت وولولہ کے ساتھ سرگرم ہو گئے اور اس کا نفع امت کے ہر طبقہ تک پہونچا ، ان کے مخالف عناصر کم ہوتے گئے ، اور دشمنی کے گھنیرے بادل چھٹنے لگے ، اور اسلامی معاشرے میں ایک جیتی جاگتی روح کارفرماں نظر آنے لگی جس کا سرچشمہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید

رحمہ اللہ کی ذات تھی، ان کی معرکۃ الآراء کتاب (تقویۃ الایمان) دعوت ایمانی انسان کی عظمت اور تعلق مع اللہ اور نصح ومواعظ پر مشتمل ایک ایسی کتاب ہے جو علم وادب کا نمونہ ہے اور یہ کتاب ان کے پر اثر خطابات، مواعظ، اور دعوتی کارنامے اور پر مغز تقریروں کا نمونہ ہونے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ذریعہ تیرہویں صدی ہجری میں ایک بہت بڑی اسلامی تحریک وجود میں آئی، اس تحریک کی جڑیں بہت گہرائیوں تک پہونچ چکی تھیں اس تحریک کو قبولیت عام حاصل ہوئی، اور اپنی پر زور تاثیر سے اس تحریک نے مسلمانوں کے تن مردہ میں روح پھونک دی، اور اس نے اپنی قوت عمل کے ذریعہ بے جان دلوں میں زندگی کی لہر دوڑادی۔

یہ تحریک ایک نازک دور میں وجود میں آئی، اگر اس میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو ہندوستان میں اسلامی دعوت کو ایک دھچکا لگتا کہ اس کے لئے از سر نو یہاں جم پانا مشکل ہوجاتا اور اس کے اعوان ومددگار ڈھونڈھے نہ ملتے، حسن اتفاق سے اس کا وجود ایسے وقت میں ہوا جب اس تحریک کو آگے بڑھانے میں تعاون کرنے والے اس کے پرچم تلے آگئے، اور یہ ایسے مردان کار تھے جو اس تحریک کے عزائم کو بروئے کار لانے لے لئے جان کی بازی تک لگانے کے لئے تیار تھے۔ یہ کوئی علاقائی اور محدود تحریک نہ تھی، بلکہ ہندوستان کی یہ وہ پہلی اسلامی تحریک تھی جو اخلاقی انارکی اور سامراجیت کے خلاف اس روئے زمین پر اسلامی خلافت اور الٰہی حکومت برپا کرنے کا عزم لے کر اٹھی تھی، اور صدیوں کے بعد پہلی بار اسلامی مملکت کے قیام کے لئے یہ ایک عملی اور حقیقی کوشش تھی جو منظر عام پر آئی۔

اس تحریک کو باقاعدہ طور سمجھنے اور اس کے مقاصد سے واقفیت کے لئے ضروری ہے کہ ہم سید احمد شہید رحمہ اللہ کی زندگی کے اوراق الٹیں اور ان کی ذاتی شخصیت اور زمانے کے حالات وکوائف سے واقفیت حاصل کریں، اسکے لئے علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''سیرت سید احمد شہید'' کا مطالعہ ہر اعتبار سے مفید اور جامع ہے۔

ہمارے دارالعلوم کے استاذ حدیث ''تحریک شہیدین'' پر مولانا محمد خالد ندوی

غازیپوری کے قلم سے یہ کتاب ایک تاریخی سند اور علم ودعوت کی ایک دستاویز ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ ہمارے مردہ دلوں میں نور ایمانی پیدا کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے، میں اس کتاب کے مؤلف جناب مولانا محمد خالد ندوی کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی اس کتاب کی مقبولیت اور اس کے استفادے کی وسعت سے ہر خاص وعام کے مستفید ہونے کی دلی تمنا رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر سے نوازیں اور شہیدین کی زندگی کے علمی اور ادبی پہلوؤں سے فائدہ اٹھانے کی ہر خاص وعام کو توفیق بخشیں (آمین)

راقم الحروف
سعید الرحمن الاعظمی
مدیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۰ر جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ
۴ر فروری ۲۰۲۱ء

تعارف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبعد!

مصلحین ومجددین اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں مسلمانوں کی ایک نئی صبح صادق طلوع ہوئی، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی بن حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تربیت وسرپرستی میں خاندان علم الٰہی کا گل سرسبد تیار ہوا، جس کے افراد حضرت مجدد الف ثانی امام سرہندی کے سلسلہ کے مشائخ بالخصوص حضرت سید آدم بنوریؒ وغیرہ اور پھر بارہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دامن ارشاد وتربیت سے وابستہ ہوئے اور دو آتشہ سے یہ خاندان سہ آتشہ ہوا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اعاظم تلامذہ ومسترشدین میں تھے، جن کے ایک چچازاد بھائی حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی محدث (م ۱۲۰۰ھ) حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اجازت یافتہ بھی تھے اور انہی مستفیدین ولی اللّٰہی میں ایک نام مولانا سید محمد معین حسنی کا بھی ہے، اور ان بزرگوں کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ حسنی نقشبندیؒ حضرت سید آدم بنوریؒ کے عظیم المرتبت اور بڑے ہی متبع السنت بزرگ تھے جن کی اولاد میں اللہ نے بڑی برکت عطا فرمائی اور جنہوں نے سنت ابراہیمی کا احیاء کرتے ہوئے "ربنا لیقیموا الصلوٰۃ، فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم" کے جذبہ سے آبادی سے دور ایک مقام پر ایک بزرگ کا اشارہ پاکر طرح اقامت ڈالی اور سخت مجاہدہ وریاضت، اور عقیدۂ توحید پر مضبوطی کے ساتھ سنت کی اتباع واحیاء کے جذبہ اور بدعت سے غیر معمولی نفرت اور علم وعشق اور ارشاد وتربیت کی جامعیت، اوصاف عشر استغناء، زہد، قناعت، صبر وشکر، تسلیم ورضا، وغیرہ سے متصف ہوئے، ان حضرات نے دین کی تبلیغ، نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا عمل پوری یکسوئی سے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے جاری رکھا، دین وعلم کے ان مراکز اور معرفت

وعشق کے ان چشموں سے سیرابی کا بھی عمل جاری رکھا جن کا نام اور مقام تھا۔ سرہند و بنور کے بعد اب یہ مرکز علم و معرفت و منبع ارشاد و تربیت دہلی کا مدرسہ رحیمیہ تھا، یہ مدرسہ شاہ ولی اللہ تھا، جس کی شاخیں خوب پھلیں اور پھولیں، جس کا باغ ان باغوں کی طرح نہ تھا جو سال میں ایک بار پھل دیتے ہوں، سال میں دوبار اور سہ بار یہاں سے آسودگی ہوتی، اس مدرسہ کے سب سے بڑے معلم و نگراں و مربی و مرشد حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے خلف اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہوئے، اور برصغیر ان کی طرف ٹوٹ پڑا، ان کی درسگاہ سے جہاں نامور اور باکمال تلامذہ و افاضل نکلے، وہیں، عظیم مصلح، مجدد داعی، مبلغ دین، مجاہد اسلام، مصنف، محقق، مدرس، ناشر کتاب و سنت، ماحی شرک و بدعت، مفسر، محدث، فقیہ ادیب صوفی، اصولی اور ماہر کلامیات، بے نظیر اور عدیم المثال افراد نکلے، جن میں خانوادہ علم اللّٰہی (حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلویؒ کے خاندان) کے افراد، احفاد و اسباط بھی تھے۔ مولانا سید محمد نعمان، مولانا سید محمد اسحاق، مولانا سید ابواللیث، مولانا سید قطب الہدی محدث، وغیرہ حضرات بھی تھے اور ان کی نسبت و تعلق ورشتہ سے امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کا اس درسگاہ علم نبوت و معرفت الٰہی میں داخلہ ہوا، شاہ عبدالعزیز ان حضرات سے بخوبی واقف تھے، جن میں ایک کے وہ بھتیجے، ایک کے بھائی ایک کے بھانجہ اور ایک کے قریبی عزیز تھے، لیکن جلد ہی وہ وقت آیا کہ ان کو اب تعارف کی ضرورت نہ تھی، ان کے ذریعہ تعارف ہونے لگا، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ان کو اپنے بڑے لائق و فائق بھائی حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے پاس مسجد اکبر آبادی میں رکھا، جہاں ان کی مزید تربیت ہوئی، پھر آ کر انہوں نے اپنے برادر اکبر کی خدمت میں ان کے احوال ذکر کئے، اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے خلعت خلافت سے نوازا۔ ۱۲۳۳ھ کے اواخر اور ۱۲۳۴ھ کے اوائل کا زمانہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کا ایماء پا کر دہلی اور اس کے اطراف کا عظیم اصلاحی، تبلیغی، دعوتی دورہ کیا جہاں غازی الدین نگر (غازی آباد) میرٹھ، مظفر نگر، شاملی، سہارن پور اور ان کے مردم خیز قصبات گنگوہ دیوبند، تھانہ بھون جلال آباد، نانوتہ، کاندھلہ وغیرہ میں ایسی ایمان کی بادبہاری چلی کہ وہاں کے مشائخ علماء، خواص، عمائدین اور عام لوگ، مختلف اقوام و برادریوں کے حضرات سبھی بیعت میں داخل ہوتے چلے گئے، یہ بیعت ارشاد و توبہ تھی، یہاں تک کہ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی (شیخ و مرشد حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی)

سہارن پور میں مسجد ابو نبی کے قیام میں بیعت ہوئے اور پھر ساتھ ہو لئے اور اپنے خلفاء و مریدین کو بھی بیعت کرایا، یہاں تک کہ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی جنہیں حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی سے اجازت حاصل تھی۔ مگر پھر حضرت سید احمد شہیدؒ سے اپنے شیخ کا حکم پا کر بیعت ہوئے اور ان سے بھی خلافت پائی، اور باوجود جہاد میں ساتھ رہنے کے جذبہ اور شدید تقاضہ کے حضرت سید صاحب کا ایماء پا کر علاقہ میں رہ کر تربیت و تعلیم وارشاد کا عمل جاری رکھا اور اس مدرسہ علم و معرفت سے حضرت حافظ ضامن شہید، حضرت مولانا محمد تھانویؒ محدث اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نکلے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ذریعہ یہ فیضان سب سے زیادہ عام ہوا، اور ان کے خلفاء، خلفاء کے خلفاء اور ان کے اتباع اور سلسلہ کے لوگوں کے ذریعہ دنیا بھر میں ایسے ایسے دینی، علمی، دعوتی، اصلاحی، تبلیغی، تعلیمی مراکز قائم ہوئے کہ ان کی وسعت اور پھیلاؤ کا دائرہ اس سے قبل ایسا وسیع نہ تھا، تبلیغی جماعت کی عالمی تحریک، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، سلفی مکتبۂ فکر کے مدارس، اور ندوۃ العلماء اور اس سلسلہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک اردو زبان و ادب کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اردو ترجمہ قرآن ''موضح القرآن'' کو سامنے لا کر اردو کو ایک نئی سمت دی تھی، انہی کے دامن تربیت سے حضرت سید احمد شہیدؒ وابستہ رہے تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات اور مکتوبات اگرچہ فارسی میں ملتے ہیں لیکن ان کی تفسیر سورہ فاتحہ اور بعض رسائل اردو میں ہیں، ان کی جماعت اور تحریک کے افراد نے اردو کی طرف خاص توجہ کی، اور وہ ذخیرہ پیش کیا کہ اردو خواص کی زبان سے عوام کی عمومی زبان بن گئی، حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات و وقائع پر سب سے مستند و معتبر ماخذ ''وقائع احمدی'' اردو زبان میں ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا غلغلہ نہ صرف برصغیر میں تھا، تبت و چین سے لے کر حجاز و مصر و شام اور مراکش تک اس کی آواز اور شہرہ تھا، اور یہ فائدہ اس وقت زیادہ عام ہوا جب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء، خلفاء، مریدین، تلامذہ، مسترشدین اور عام مستفیدین، متوسلین و محبین کے ساتھ ہجرت و جہاد کے عمل سے پہلے جس کا منصوبہ تیار ہو چکا تھا فریضہ حج کے احیاء کے جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر حجاز مقدس کا سفر و قیام

اختیار کیا، ۱۲۳۷ھ میں سفر کیا، اللہ پر توکل کرتے ہوئے بے سروسامانی کی حالت میں نکل پڑے، اور اللہ کی طرف سے مہمانی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے کوئی سامان ساتھ نہ لیا اور غیب سے اسباب مہیا ہوتے رہے، ''یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ'' کا مژدہ جانفزا سنتے اور دیکھتے ہوئے بحفاظت پہونچے، بہ سلامت قیام کیا اور بہ اطمینان وشکر وطن واپسی کی پھر ہجرت کی تیاری کی، اور مظلوموں کی دادرسی کے لئے اپنی جماعت کے ساتھ جس کی پوری ایمانی، یقینی، عملی، فکری، شعوری تربیت ہوچکی تھی، امارت کے نظام کے ساتھ نکل پڑے، اور احیاء شریعت وخلافت کے لئے وہ عالی منصوبہ تیار کیا کہ کچھ وقت کے لئے ہی سہی ''علی منہاج الخلافۃ الراشدہ'' ایک نمونہ قائم کرکے دکھادیا، سندھ وپنجاب کو عبور کرکے سرحد میں یہ نظام قائم کیا، اور مختلف معرکے ہوئے، اور کئی سال قیام رہا، کچھ کو ساتھ رکھا اور کچھ کو برصغیر کے مختلف حلقوں، علاقوں، دائروں میں اصلاح ودعوت کے لئے بھیج دیا مولانا ولایت علی صادق پوری کو (حیدرآباد) مولانا سید محمد علی رامپوری (مدراس) مولانا کرامت علی جون پوری (بنگالہ) مولانا حبیب اللہ قندھاری (افغانستان) جن کے خلفاء مولانا ابوبکر غزنوی وغیرہ نے پنجاب کو مرکز بنایا) تبت وچین میں اپنے نوخلیفہ بھیجے، نیپال اور ترائی کے علاقہ اور گورکھپور، بستی، مشرقی یوپی، بہار وغیرہ میں مولانا سید جعفر علی نقوی بستوی نے کام کیا اور حضرت کے واقعہ شہادت کے بعد نواب وزیرالدولہ نواب ٹونک نے ریاست ٹونک میں حضرت کے متعلقین کو بلاکر بڑا علمی، دینی، دعوتی مرکز بنایا اور دوسری طرف سہارن پور، دیوبند، لکھنؤ، علی گڑھ وغیرہ میں ایسے تعلیمی مراکز قائم ہوئے جن کی روشنی پورے عالم میں پھیلی، اور ان کے ساتھ تربیتی مراکز تھانہ بھون، رائے پور وغیرہ قائم ہوئے، اور اس کے علاوہ اردو زبان وادب کے حلقے اور مراکز بھی قائم ہوئے، اور عربی وفارسی سے بڑا علمی دینی اثاثہ اس تحریک وجماعت اور سلسلہ سے وابستہ افراد نے اردو زبان وادب میں نہ صرف منتقل کیا بلکہ اس کو ترقی دی، جس کی تفصیل اس خاندان کے ایک عظیم عالم ومصنف حضرت مولانا فخرالدین خیالی حسنی (جد بزرگوار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کی کتاب گل رعنا (تذکرہ شعراء اردو) اور حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ کی کتابوں خصوصاً ''نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر'' (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام) جلد ہفتم وہشتم سے بخوبی واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان سب حقائق اور تفصیلات کے باوجود نئی نسل کو متوجہ کرنے کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴۰۷ھ-۱۹۸۷ء میں اس کا اجلاس بلایا کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک ایسے سیمینار مذاکرہ علمی کا انعقاد ہو جس میں اس سلسلہ میں تحقیقی ابحاث و مقالات اور افکار و حقائق سامنے آئیں، بالآخر نومبر ۱۹۸۷ء میں یہ سیمینار منعقد ہوا جس میں ملک کے ممتاز فضلاء، اہل قلم، ادیب و مصنف، مفکر، عالم، داعی، دانشور سب ہی شریک ہوئے اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے اردو زبان وادب کے اثرات کو وقت کا موضوع قرار دیتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر کانفرنس کے انعقاد کی بھی تجویز رکھی کہ، یہ تحریک صرف ایک مقامی و علاقائی نہیں تھی۔

استاذ محترم و معظم حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری ادام اللہ فیوضہم نے بھی اس کانفرنس میں اچھا علمی و عملی حصہ لیا تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفیق جاں نثار وخلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ سے متعلق اہم مقالہ پیش کیا تھا جو بالاقساط پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شائع ہوا، اور مقبول ہوا، اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی نکلنے والے علمی، ادبی ترجمان ماہنامہ ''ذکر و فکر'' بھی شائع ہوا، مگر وہ مستقل کتابی صورت میں آنے سے اب تک رہ گیا تھا، ''تعمیر حیات'' کی ورق گردانی میں اس ضرورت کا احساس ہوا، اور استاذ محترم و معظم حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی دامت برکاتہم نے ازراہ شفقت راقم کی گذارش کو شرف قبولیت سے نوازا، راقم اسے محض توفیق الٰہی سے تعبیر کرتے ہوئے فضل خداوندی کا ایک حصہ صرف اپنے لئے ہی نہیں سبھی شائقین علم وادب وطالبین ذوق معرفت کے لئے سمجھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ وہ اپنی بارگاہ میں اسے قبولیت عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام اور زیادہ سے زیادہ فرمائے، اور ذریعہ مغفرت و ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

حضرت الاستاد کا جس مکتب فکر و عمل سے تعلق ہے اس کو تحریک شہیدین سے فکری، علمی، روحانی تعلق ہے اور اس سلسلہ سے یوں ارتباط بھی ہے کہ ان کا جن مشائخ سے تعلق ہے وہ اس سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں، جسے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

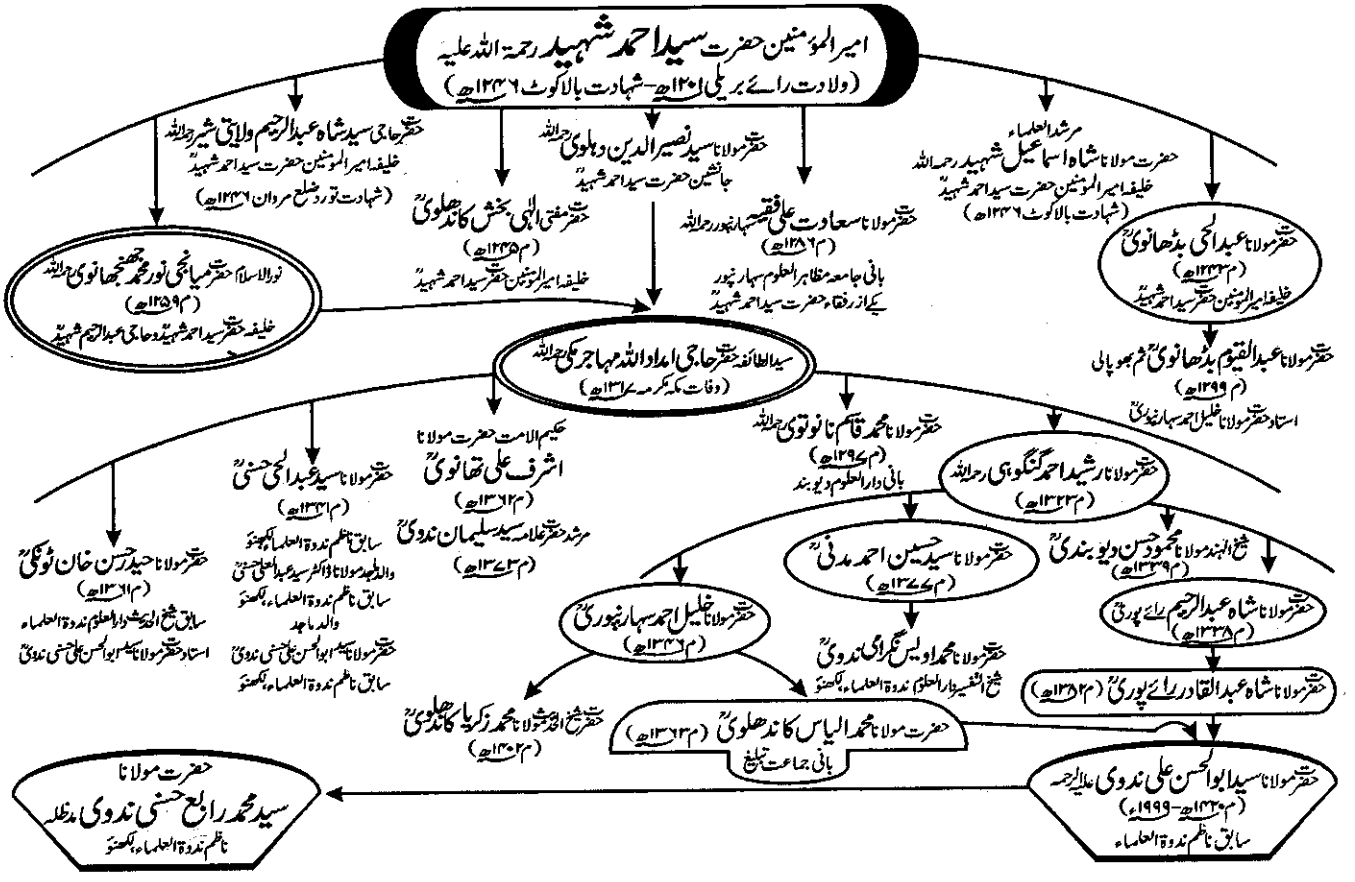

امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
(ولادت رائے بریلی ۱۲۰۱ھ — شہادت بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ)
مرشد العلماء حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ
خلیفہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ
(شہادت بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ)
حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری رحمہ اللہ
(م ۱۲۸۶ھ)
بانی جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور
یکے از رفقاء حضرت سید احمد شہیدؒ
حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی رحمہ اللہ
جانشین حضرت سید احمد شہیدؒ
حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ
(م ۱۲۴۵ھ)
خلیفہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ
حضرت حاجی سید شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید رحمہ اللہ
خلیفہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ
(شہادت تورو ضلع مردان ۱۲۴۶ھ)
حضرت مولانا عبدالحی بڈھانویؒ
(م ۱۲۴۳ھ)
خلیفہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ
حضرت مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ ثم بھوپالی
(م ۱۲۹۹ھ)
استاد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
نور الاسلام حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ
(م ۱۲۵۹ھ)
خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ و حاجی عبدالرحیم شہیدؒ
سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ
(وفات مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ
(م ۱۲۹۷ھ)
بانی دار العلوم دیوبند
حکیم الامت حضرت مولانا
اشرف علی تھانویؒ
(م ۱۳۶۲ھ)
مرشد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ
(م ۱۳۷۳ھ)
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
(م ۱۳۲۳ھ)
حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ
(م ۱۳۴۱ھ)
سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
والد ماجد مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ
سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
والد ماجد
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ
(م ۱۳۶۱ھ)
سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
استاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(م ۱۳۳۹ھ)
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(م ۱۳۷۷ھ)
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(م ۱۳۴۶ھ)
حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ
(م ۱۳۳۸ھ)
حضرت مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ
شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (م ۱۳۸۲ھ)
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
(م ۱۴۰۲ھ)
حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ (م ۱۳۶۳ھ)
بانی جماعت تبلیغ
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ
(م ۱۴۲۰ھ — ۱۹۹۹ء)
سابق ناظم ندوۃ العلماء
حضرت مولانا
سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اس کے علاوہ آپ کا تعلق جس خطہ غازی پور سے ہے اسے بجا طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے افراد نے دامے درمے سخنے اس تحریک میں حصہ لیا جسے تحریک شہیدین سے تعبیر کیا جاتا ہے صادق پور کے صادقین کی طرح غازی پور کے غازی بھی اپنی قربانیوں میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

راقم کے لئے یہ بڑا دشوار گزار لمحہ تھا کہ وہ بھی اس بابرکت مجموعہ تحریر پر کچھ لکھنے کی جرأت کرے، لیکن استاذ مخدوم و معظم صاحب رسالہ کی تعمیل ارشاد میں یہ چند سطریں پیش کرنے کی عزت حاصل کررہا ہوں، کہ ادب یہی ہے کہ بڑوں کے حکم کو بجالایا جائے، وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ"۔

اس موقع پر مخدومی و مرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کا وہ ارشاد بھی یاد آرہا ہے، جب ایک کتاب کے ذریعہ بعض حضرات نے حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے مقام وکام کو گھٹانے کی کوشش کی تھی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے راقم السطور سے فرمایا تھا کہ تم اس پر لکھو کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نگاہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا کیا مقام ومرتبہ تھا، پیش نظر کتاب میں الحمد للہ یہ بات بھی پورے وثوق کے ساتھ ناظرین بالتمکین ملاحظہ فرمائیں گے، فالحمد للہ اولا وآخرا۔

محمود حسن حسنی ندوی

نائب مدیر "پندرہ روزہ تعمیر حیات"

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷/رجب المرجب/ ۱۴۴۲ھ

۲۰ فروری/ ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبین محمد و علیٰ الہ و صحبہ أجمعین.

رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے بعد اس کے سالانہ جلسوں میں برابر شرکت ہوتی رہی اور کوشش یہ ہوئی کہ اس طے شدہ عناوین میں سے کسی عنوان پر کوئی مقالہ مرتب کر کے پیش کیا جائے، بعد ازاں وہ مقالات ''کاروان ادب'' کے بعض شماروں میں شائع بھی ہوئے۔

رابطہ ادب اسلامی کا جو اجلاس دار العلوم ندوۃ العلماء میں بعنوان ''تحریک شہیدین'' کے اردو ادب پر اثرات، جس کی صدارت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے، اور بڑے فاضل مقالہ نگار کی اس میں شرکت ہو رہی تھی، مولانا معین اللہ ندوی ہال میں یہ بزم سجائی گئی تھی، بڑا روح پرور سماں تھا، روحانیت کا اثر ظاہر ہو رہا تھا، اور یہ دو اللہ کے محبوب بندوں، مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے محب رفیق حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نسبت کی برکت کا اثر محسوس ہو رہا تھا، حضرت مولاناؒ نے اپنی اختتامی تقریر میں اس کا کھل کر تذکرہ بھی فرمایا ادبا، شعراء کی قوس قزح تھی جس کا حسن و تجمل ہر طرف نمایاں تھا، اس موقع پر راقم نے اسی مرکزی عنوان پر مقالہ مرتب کیا تھا، جس کو اہل علم نے پسند فرمایا اور یہ مقالہ ''تعمیر حیات'' کے کئی شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔

ابھی چند دنوں پہلے جناب مولانا محمود حسن حسنی ندوی صاحب نے اس طرف توجہ

دلائی اور یہ فرمایا کہ یہ بہت مفید مقالہ ہے، اگر شائع ہوجائے تو بہت مناسب ہوگا، لہٰذا اس طرف توجہ ہوئی بلکہ موصوف نے اس کی قسطیں بھی فراہم کردی، جس سے حوصلہ ملا، اس کے علاوہ مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کا ایک مضمون جو اس موقع کے حسب حال تھا، اس کو بھی نکال کر دیا، ساتھ ہی ساتھ حضرت نفیس رقم مولانا نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر مضمون بھی جو بڑا موثر ہے اسے بھی فراہم کیا، اللہ تعالیٰ مولانا محمود حسن حسنی ندوی صاحب کو بہتر اجر وصلہ عطا فرمائے، ان کی توجہ اور کاوشوں سے کتابی شکل میں اس مضمون کو پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، مخدوم گرامی قدر مربی جلیل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا مفصل مقدمہ اس کی افادیت کو دوچند کرنے کے لئے کافی ہے، ہم حضرت والا کے مشکور ہیں کہ حضرت مدظلہ نے طبیعت کی ناسازگی اور ضعف ونقاہت کے باوجود اس معلوماتی اور تاریخی قسم کی تحریر سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور امت کے اس سرمایہ سعادت کو تادیر ہم پر سایہ فگن رکھے۔

نائب ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم ازراہ لطف وکرم بصیب خاطر تقریظ تحریر فرما کر مشکور فرمایا اللہ جزائے خیر عطا فرمائے، ان شاء اللہ اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگا اور اہل قلم کو مزید اس موضوع پر لکھنے کی تحریک ہوگی جیسا کہ موصوف نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اسی طرح مخدوم ومکرم حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے قیمتی آرا اور تاثرات کی تجمل آفریں مروارید سے نوازا ہے، جس کی تابندگی سے کتاب کی افادیت دوچند ہوجائے گی، ہم شکر وسپاس کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا بھرپور صلہ اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

عزیز مکرم مولانا محمد کلام الدین ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی شانہ کشی اور مشاطگی کی ذمہ داری بخوبی ادا کرکے رونمائی کے قابل بنایا، ہم ان تمام محسنین کے قدرداں ہیں۔

اخیر میں محبوب العلماء ولی صفت جناب الحاج ولی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت

میں شکر وسپاس کے ساتھ حاضر ہیں کہ ان کے تعاون سے طباعت کا مرحلہ آسان ہوا، اور اسے کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ ان تمام محسنین کو دارین کی سعادتوں سے ہم کنار فرمائے، آمین۔

نیاز مند

محمد خالد ندوی غازی پوری

عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام دارالعلوم ندوۃ العلماء

۴/رجب المرجب/ ۱۴۴۲ھ

۱۷/فروری/ ۲۰۲۱ء

مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ اہم مضمون مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کاروان ایمان وعزیمت'' سے ماخوذ ہے)..... مرتب

آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے شجرۂ طوبیٰ کی ایک شاخ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نامور پوتے، شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ذریعۂ نجات ومغفرت فرزند، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وشاہ عبدالقادر صاحبؒ وشاہ رفیع الدین صاحبؒ کے محبوب وعزیز بھتیجے اور مایۂ ناز شاگرد تھے۔

مولانا اسمٰعیل اسلام کے اُن اولوالعزم، عالی ہمّت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

آپ نے عُلماء کے سب سے بڑے مجمع اور سب سے بڑے علمی اور سب سے بہتر دینی ماحول میں آنکھ کھولی، بچپن میں کانوں میں قال اللہ وقال الرسول کی آواز پڑی، جو علمی باتیں اور جو مذہبی مسائل حلال وحرام وضروریاتِ دینی لوگوں کو کتابوں اور مطالعہ سے آتی ہیں وہ آپ کو باتوں باتوں اور قصے کہانیوں میں معلوم ہوگئیں، تربیت کے لحاظ سے یہ تربیت نہایت مکمل تھی جو کم خوش نصیبوں کو ہوتی ہے لیکن آپ اس تربیت کے محدود دائرہ سے بہت آگے تھے اور بہت جلد شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی آپ بہت ممتاز ہوگئے۔

تعلیم میں بھی آپ کی خوش نصیبی تربیت سے کم نہ تھی، ہندوستان کے فاضل ترین اساتذہ جن کے پاس سمرقند وبخارا، ایران وافغانستان کے طلباء شدِّ رحال کر کے آتے تھے اور ایک سبق پڑھ لینا حاصل سفر سمجھتے تھے، آپ کے گھر ہی کے تھے اور کون؟ باپ یا باپ سے

بڑھ کر شفیق چچا، اس وقت کی اعلیٰ تعلیم جو کسی کو میسر آسکتی تھی، آپ نے حاصل کی اور اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔

آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ بہت سی درسی کتابوں کے مصنفین وشراح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے، اگر آپ کو اشتغال اور تصنیف وتالیف ودرس وتدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے بہت سے پیشرو اور معاصر علماء سے بہت آگے ہوتے اور بہت سے فنون میں امام یا مجدّد کا منصب آپ کو دیا جاتا، جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو انہیں علوم یا صنائع میں خارق عادت کمال دیتا ہے، جو ان کے زمانہ میں رائج وشائع ہوتے ہیں تاکہ حجت اور معجزہ ہوسکے، اسی طرح حکیمِ مطلق نے خود اس کا سامان کیا کہ شاہ صاحبؒ کو جن سے اس کو علماء کی اصلاح اور حق کی نُصرت کا کام لینا تھا، ان تمام علوم و فنون میں غیر معمولی کمال حاصل ہوا، جو اُس وقت عام طور پر رائج وجاری تھے اور جن پر علماء فخر کرتے تھے اور جن کے بغیر وہ کسی کو عالم اور قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کے طریقۂ تعلیم اور اُن کی ذکاوت کے جو واقعات مشہور ہیں اور بزرگوں سے منقول چلے آرہے ہیں اُن کی تصدیق وہ حضرات مشکل سے کرسکیں گے جن کا اعتقاد ہے کہ علم وفہم نبوّت کی طرح کتب معقولات کے مصنفین اور اُن کے شراح پر ختم ہوگیا تھا اور اب صرف اُن کی بات سمجھ لینا اور سمجھا دینا ہماری عقل واجتہاد کی آخری حد ہے، جس کے آگے الحاد کی سرحد شروع ہوتی ہے، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ کی روایت ہے (جو غالباً انہوں نے اپنے اساتذہ واکابر سے سُنی ہوگی) کہ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحب سے الافُق المُبین پڑھتے تھے (اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کس درجہ کی کتاب ہے) اور اس طور پر پڑھتے تھے کہ دو دو چار چار ورق پڑھتے، کہیں شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کچھ پوچھ لیتے، کہیں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کچھ بتا دیتے ورنہ یوں ہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحب خیرآبادی صدر امین ہوکر دہلی آئے ہوئے تھے، اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہو رہا تھا، وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے، اتفاقاً شاہ صاحبؒ اثناء سبق میں کسی ضرورت سے اُٹھے تو انہوں نے کہا "صاحبزادے کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو"، وہ بپاس ادب چُپ ہو رہے لیکن شاہ صاحب

آ گئے اور انہوں نے سُن لیا، فرمایا کہ مولوی صاحب اس لڑکے سے کچھ پوچھئے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو پہلے تو مولوی فضل امام صاحب نے گریز کیا لیکن آخر انہوں نے ایک مسئلہ الافق المبین کا پوچھا، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے نہایت شائستگی سے جواب دیا، پھر انہوں نے اس کو رد کیا پھر انہوں نے جواب دیا، اس ردّ وقدح کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحبؒ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی پیچیدہ تقریر کا غور کر کے جواب دینے لگے اُس وقت خاموش ہوئے۔

ایک ولایتی طالب علم خیالی پڑھنے کی غرض سے ہندوستان آیا، یہاں اُس نے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ ذہین اور ذکی ہے، معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ ہیں، ان کے پاس آیا اور استدعا کی، پیشتر انہوں نے فُرصت نہ ہونے کا حیلہ کیا، آخر الامر جب اس نے زیادہ مجبور کیا تو فرمایا اچھا، فرصت کے وقت اُس نے بغل سے نکال کر ایک کتاب دی انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا خیالی کا عبدالحکیم ہے، آپ نے کہا کہ یہ کیوں یہاں چھوڑے جاتے ہو؟ اُس نے کہا، بے عبدالحکیم کے خیالی حل نہیں ہوتی، اس پر مولانا نے فرمایا کہ عبدالحکیم بیچارہ کیا ہے جو میرے خیالوں میں باتیں آتی ہیں، وہ عبدالحکیم کے خیالوں سے بدرجہا بہتر ہیں، اُس نے کتاب تو اُٹھالی لیکن بہت ہی بددل ہوا کہ جب اُن کی یہ کیفیت ہے کہ عبدالحکیم کو کچھ نہیں سمجھتے تو خیالی خاک سمجھتے ہوں گے لیکن چونکہ صرف خیالی ہی کی غرض سے اس نے اتنی مسافت طے کی تھی، ٹھہر گیا اور وقت مقررہ پر آیا، جب سبق شروع ہُوا تو اس کو معلوم ہوا کہ واقعی ان کی نازک خیالوں کے سامنے عبدالحکیم کوئی چیز نہیں ہے۔

ہمارے یہاں ہندوستان میں مدّت سے معقول بھی منقول بنا ہوا ہے جس میں سوائے نقل وشرح کے نہ کسی نقطہ کا اضافہ ہوسکتا ہے نہ ترمیم نہ کسی نظریہ پر نظر ثانی ہوسکتی ہے نہ اجتہاد، سرسیّد احمد خاں مرحوم نے ''آثار الصنادید'' میں شاہ صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ منطق میں آپ کا ایک رسالہ ہے جس میں آپ نے بدلائل وبراہین ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اجلی البدیہیات میں سے ہے اور شکل اوّل اس کے برعکس اور آپ کے معاصرین میں سے کوئی اس کا رد نہ کرسکا۔ سرسیّد لکھتے ہیں کہ:

> ''اس کے دلائل اس قوت واستحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلّم اوّل موجود ہوتا تو اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت سے سُست تر

سمجھتا''۔ (۱)

مولوی فضلِ حق صاحب خیرآبادی مرحوم آپ کے معاصر تھے، اُن سے شاہ صاحب سے بہت علمی مباحثے اور دینی مناظرے ہوئے جن سے شاہ صاحبؒ کی دماغی قابلیتیں اور علمی تفوق اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ:

''مولانا رشید الدین صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت واستعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلباء سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو دینیات کے ساتھ شغف ہے، باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ مولانا کو معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں۔ اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آ گیا اور مولانا رشید الدین خاں صاحب عیادت کو تشریف لے گئے، مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا، اسی پریشانی وانتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ اعتراضات پیدا ہوئے، مولانا رشید الدین خان صاحب بالکل ساکت رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں، فرمایا بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آ جائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔''(۲)

یہ تو حال آپ کا معقول میں تھا جس کو آپ نے ہتھیار کے طور پر حاصل کیا تھا، رہا منقول، تو آپ کے گھر کی میراث تھی لیکن آپ نے صرف اس میراث ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے کسب سے اس میں اضافہ کیا اور ساری دُنیا نے اس میں آپ کی امامت کی شہادت دی۔

---

(۱) اثار الصنادید۔ (۲) روایات الطیب۔

تقریروں کے سُننے کا تو اب موقع نہیں جن کی اس وقت بڑی دھوم تھی، لیکن دینی مسائل پر آپ کی تحریریں یادگار ہیں، ''منصبِ امامت'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کے صحیفے اور کتب خانے آپ کی آنکھوں کے سامنے کھُلے ہیں، جہاں سے چاہتے ہیں نقل کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کتابیں سفر اور ایسی حالت میں لکھی ہیں کہ آپ کے پاس مشکل سے کوئی کتاب رہی ہوگی۔ استدلال ایسا صحیح ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا حدیث اسی موقع کے لئے تھی، پھر استنباط، استخراج اور نکتہ آفرینی تو آپ کا حق ہے۔

پنجتار میں علماء کے اجتماع کے موقع پر جس میں دو ہزار علماء اور دو ہزار کے قریب طلبہ شریک تھے، آپ نے امام کی مخالفت کا حکم بتایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں کتابوں کے فلاں فلاں باب فلاں فلاں فصل میں دیکھئے، کتابیں علماء کے پاس تھیں انہوں نے دیکھیں تو کچھ فرق نہ پایا۔

لکھنؤ میں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد نے آپ کے اس سوال کا جواب کہ تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے؟ بڑی عرق ریزی، مشورہ اور کتابوں کے حوالہ سے بہت طویل لکھ کر بھیجا، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے جواب کے لئے بہت بڑے کتب خانہ کی ضرورت ہے جو سفر میں میسّر نہیں، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیا۔

آپ کی تصانیف اور علم میں وہ سب خصوصیتیں موجود ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حصّہ ہیں اور جو ہندوستان کے عُلماء و مصنّفین میں نایاب ہیں اور جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے یہاں ملتی ہیں یعنی شانِ اجتہاد، علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق، قرآن وحدیث کا خاص تفقہ اور استحضار، زورِ کلام۔ (۱)

یہ تو علم کا حال تھا لیکن ایک چیز علم ہے اور دوسری چیز علم سے انتفاع، اس دوسری چیز میں شاہ صاحب خاص طور سے ممتاز تھے، آپ کا گھر قرآن وحدیث کا سب سے بڑا مدرسہ تھا، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے وقت سے یقیناً قرآن وحدیث ان لوگوں کا وظیفہ تھا، سُنّت وشریعت کی نہریں ہندوستان سے اور ہندوستان سے باہر یہیں سے جاری ہوئیں لیکن اس کے باوجود آپ کے

---

(۱) مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ مجھے تعبیر میں دخل نہیں جیسے لوگ اپنی عقل اور قرائن سے تعبیر دیتے ہیں اسی طرح میں بھی تعبیر دے دیتا ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کے معانی کا علم مجھے عطا کیا ہے، بظاہر میں نے یہ علم استاد سے حاصل کیا ہے لیکن اصل علم القائی ہے۔

وقت تک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وشاہ عبدالقادر صاحبؒ کی موجودگی میں اس خاندان میں بہت سی بدعات و رسوم رسماً جاری تھیں۔ بیوہ کا نکاح ثانی اسی طرح غیر مروّج تھا جس طرح دوسرے خاندان میں، بی بی کی صحنک ہوتی تھی۔ گیارہویں کا کھانا آتا تھا، شاہ صاحبؒ نے قولاً و عملاً اُس کی مخالفت کی اور یہ چیزیں موقوف ہوئیں۔

بی بی کی صحنک کے خاص آداب واحکام ہیں مثلاً کھانے والی کوئی ایسی عورت نہ ہو جس نے دوبارہ شادی کی ہو۔ کوئی بیوہ یا کنواری نہ کھائے اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی، مولانا نے منع فرمایا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنی ہیں" وَقَالُوْا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ" (الانعام) (اور انہوں نے کہا (کفّار عرب نے) یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے ان کو صرف وہ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں گے اپنے خیال سے)[1] ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی درست ہے، ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار اس کو ہرگز نہ کرنا۔

دوسری اور بہت ممتاز خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ علماء کا ایک دائرہ تھا جس سے وہ باہر نہیں جاتے تھے، اس دائرہ کے حدود درس وتدریس تصنیف وتالیف اور جُمعہ وغیرہ کا وعظ تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اشاعتِ حق کا جتنا کام اس دائرہ کے اندر رہ کر ہو سکتا تھا وہ کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی ان بزرگوں کا ذکر ہے جو قرآن وحدیث کا درس دیتے تھے یا ان میں تصنیف کرتے تھے یا وعظ وتقریر کرتے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا بھی تھا جن کے یہاں معروف ومنکر کی کوئی تقسیم نہ تھی، ہدایت وضلالت بے معنی الفاظ تھے، سُنّت وبدعت کے الفاظ اُن کے لُغت میں نہیں تھے، یہ ساری عمر معقولات کی کتابیں پڑھاتے، اگر کچھ لکھتے تو وہ کسی متن کی شرح یا کسی شرح کا حاشیہ ہوتا، کچھ کہتے تو وہ کسی مسئلہ کی تقریر یا کسی تقریر کا رد یا

---

(۱) مفسرین لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بھی خاص خاص آداب واحکام تھے، سب نہیں سمجھ سکتے تھے، اس طرح سے ایک دوسری آیت ہے وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ۔

مخالف سے مناظرہ ہوتا، عام اصلاح وارشاد کا کام دونوں کے دائرہ سے خارج تھا، میدان خالی پاکر دجّالوں، شیطانوں، جاہلوں اور شکم پروروں نے اپنے جال بچھا دیے تھے اور اللہ کی مخلوق کا زیادہ حصہ ان میں پھنسا ہوا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا اور وہاں پہنچے جہاں آج تک روشنی نہیں پہنچی تھی، وہاں بھی گئے جہاں مقدس و پاکباز جاتے شرماتے ہیں، جہاں سے علماء وصلحاء کتراتے ہیں، ہر اس جگہ گئے جہاں ان کی ضرورت تھی، جہاں حق کی آواز نہیں پہنچی تھی اور جہاں ''جاہلیت'' کی رات تھی، اسلام کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، انہوں نے اپنا خیال نہیں کیا، ضرورتمندوں کا خیال کیا، وہ بھول گئے کہ وہ اس شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں جن کا نام لینا معصیت وغفلت کے اُن سیاہ خانوں میں گناہ ہے، اُس عبدالعزیز کے بھتیجے ہیں جو اپنے علم وفضل سے بادشاہت کر رہا تھا، ان کو صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک عالم ہیں جن پر تبلیغ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے، اگر انہوں نے اس میں کوتاہی کی تو سارا دہلی قیامت میں ان کا دامن پکڑے گا، قرآن وحدیث کی وعیدوں کا ان سے زیادہ جاننے والا کون تھا، ایسے اصحاب عزیمت یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں اور لوگ بھی ہیں اور یہ فرض اُن کا بھی ہے، شاہ صاحبؒ شہر میں کوئی شرک وبدعت، کوئی فسق وفجور اور کسی قسم کی معصیت ومنکر دیکھتے تو ان سے زیادہ اپنے کو گناہگار سمجھتے اور میدانِ حشر کا نقشہ اُن کے سامنے پھر جاتا کہ جب یہ خُدا کے سامنے عُلماء کا دامن پکڑیں گے کہ ان بیناؤں نے ہم نابیناؤں کا ہاتھ نہیں پکڑا، ابھی تک اطبّاء اُمّت منتظر رہتے تھے کہ مریض اُن کے پاس آئیں لیکن شاہ صاحبؒ نے خود مریضوں کے یہاں حاضری دینی شروع کی، اس لیے کہ یہ اس وقت تھا کہ مریضوں کو اپنے مرض کی طبیبوں سے زیادہ فکر ہو لیکن یہاں معاملہ برعکس تھا۔

شاہ صاحبؒ نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا، جامع شاہ جہانی سے لے کر فسق وفجور کے مرکزوں تک خدا کا پیغام پہنچایا، شریعت کے احکام سُنائے، اپنی مخصوص وشہرۂ آفاق جُرأت وشجاعت سے شرک وبدعت کا رد کیا، توحید وسُنّت کی منادی کی۔

چند ہی دنوں میں لال قلعہ سے لے کر جھونپڑوں تک زبانوں پر آپ کا نام تھا، گھر گھر

آپ کے مواعظ اور ''نئے عقائد'' کا چرچا تھا، کہیں بھلائی سے کہیں بُرائی سے، لیکن بُرائی سے زیادہ۔ اکثر لوگوں کو یہ باتیں نئی معلوم ہوئیں، عورتیں اور دلّی کے بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ یہ اسمٰعیل کون سا نیا عالم پیدا ہوا ہے جو روز نئی نئی باتیں کہتا ہے جو آج تک دہلی کے عالموں اور ہمارے بزرگوں نے نہیں کہیں، چند ہی دنوں میں دہلی ایسے شہر میں جہاں آپ کے خاندان کا سکّہ چل رہا تھا، آپ کے سیکڑوں مخالف پیدا ہو گئے، ہر وقت آپ کی جان کا خطرہ تھا۔ دُنیادار و پیشہ ور عُلماء و مشائخ نے اہلِ کتاب کے احبار و رُہبان کی عادت کے مطابق جیسا کہ قرآن میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ۔

''اے ایمان والو! بہت سے عُلماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔''

سارے شہر میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور وہ سارے ہتھیار آپ کے خلاف استعمال کئے جو اہلِ ہوا و علماءِ سُوء اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر عوام آپ کے نام سے بیزار ہو گئے، دِلّی کے اوباش آپ کی جان کے دشمن ہو گئے، سرِ بازار آپ کو گالیاں دی جاتیں اور سارے شہر میں آپ سے بُرا کوئی نہ تھا، عبداللہ بن سلام کی طرح لوگ آپ کے باب میں بھی بھول گئے کہ آپ کس کے پوتے اور کس کے بھتیجے اور خود کیا ہیں۔ (۱)

آپ سے لوگ اس کی شکایت کرتے تو آپ فرماتے کہ بھائی ان کا قصور نہیں ہے، یہ ہمارے عُلماء کا قصور ہے کہ کیوں انہوں نے پہلے ہی سے واشگاف بیان نہیں کیا جس کے سُننے سے اب اُن کو وحشت ہوتی ہے۔

صاحبِ ''ذکرِ جلی'' ایک قصّہ مولوی محمد علی صاحبؒ رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز مولوی اسمٰعیل صاحبؒ، مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مدرسہ کے دروازہ پر

---

(۱) حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود بڑے مکر کرنے والے لوگ اور بہتان طراز قوم ہے، آپ پہلے اُن سے میرے متعلق دریافت کیجئے پھر میں ان سے اپنے اسلام کا اظہار کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ عبداللہ تم میں کیسے آدمی ہیں؟ کہا کیا کہنا، ہم سب سے بہتر عالم ابن عالم ابن سیّد ابن سیّد، یہودی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ کلمۂ طیّب پڑھتے ہوئے سامنے آ گئے، یہودی فوراً کہنے لگے کہ یہ خود جاہل اس کا باپ جاہل، یہ خود ذلیل، اس کا باپ ذلیل، ہم میں سب سے بدتر شخص ہے۔ (بخاری عن انس باب ہجرۃ النبیؐ)۔

کھڑے تھے، آپ نے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور سہیلیوں میں سوار ہوکر بلا پردہ کہیں کو جارہی ہیں، مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں، فلانی کسبی کے گھر کچھ تقریب ہے، وہاں جارہی ہیں، مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں؟ اس شخص نے کہا ہاں مسلمان ہیں، تب مولانا نے فرمایا، تب ہماری بہنیں ہیں، کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری وزنا کاری میں گرفتار تھیں اور تم نے اُنہیں نصیحت نہیں کی، اس واسطے اب تو میں اُن کے مکان پر جاکر اُن کو نصیحت کروں گا، آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف لے جانے سے مخالفین بدنام کردیں گے کہ کنچر واڑے میں آپ بھی جانے لگے، آپ نے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی پروا نہیں، جب اللہ ورسول کا حکم سُنانے لگا تو ہر ایک کو سُناوے گا، اس واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے، آپ نے اوّل اپنے دل سے کہا کہ اے دل! اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلائیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوائیں تو کیا اس وقت بھی اللہ کی بات بولتا رہے گا، دل نے کہا: ہاں! جب تک میرے اندر سانس ہے خدا کی بات کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے باز نہ آؤں گا۔

جب شام ہوئی، مولانا صاحبؒ درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبی کے مکان پر پہنچے، جہاں سب کسبیاں جمع ہوکر کچھ گا بجا رہی تھیں، آپ نے وہاں جاکر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا آؤ اللہ والیو! آؤ اللہ والیو! اس وقت ان چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کون ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے، کچھ صدا سنائے گا، اور تماشہ دکھائے گا، وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے، دروازہ کھول کر اندر بلالیا، آپ نے اندر جاکر بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اُوپر بالاخانہ میں مع اپنے مہمانوں کے جشن کررہی ہیں، مولانا صاحبؒ اوپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک اور شان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں، چاروں طرف شمعدان روشن ہیں، چونکہ مولانا صاحبؒ ایک نامی گرامی، مشہور شخص اور ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے، باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئی اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اُٹھ کر مودّب کھڑی ہوگئیں اور پوچھا کہ حضرت! آپ نے کیوں کر تکلیف فرمائی؟ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، میں کچھ صدا سنانے آیا

ہوں، تم سب جمع ہوکر اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ، چونکہ اُن کی ہدایت کا وقت آ گیا تھا، سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھ گئیں، مولوی صاحبؒ نے حمائل کھول کر ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کہ اسی کو سُن کر لوٹ پوٹ ہوگئیں، پھر آپ نے ان آیتوں کے معانی بیان کر کے ہر ایک چیز کی دنیاوی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حُسن و جوانی کو قیام ہے نہ مال و زندگانی کو، یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کیا، اس کے بعد مولانا نے موت اور جاں کنی کی سختی اور اس وقت کی بیکسی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا افسوس ایسے پُر درد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہوگئیں پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا سبب، وسیلہ اور موجد و معاون ہوا ہے، وہی اُس دن اس گروہ کا پیشرو ہوگا جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجُرمِ بدکاری گرفتار کر کے حاضر کی جاؤ گی تو ہر زانیہ کے ساتھ سیکڑوں اور ہزاروں زانی اور بدکار بھی بُلائے جائیں گے جن کی زنا کاری اور بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں اور تمہارے ہی ناز و ادا نے انہیں اس آفت میں پھنسایا تو خیال کرو کہ اس حالت سے جب سیکڑوں اور ہزاروں زانی بدکار تمہارے پیچھے ہوں گے، اللہ ربّ العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا؟ یہ بیان بھی ایسا گرم ہوا کہ کسبیوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، تب آپ نے آبِ توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس بیان وعدۂ عفو اور شرح غفّاری اس غفور رحیم سے ان بے دلوں کو کچھ ہوش آیا، معاً اس کے بعد آپ نے نِکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے نکاح کر لے اور اپنے افعالِ ماضیہ سے تائب ہوجائے، اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا، جب یہ وعظ ہو رہا تھا، اس کی شہرت تمام شہر میں ہوکر ہزاروں خلقت اس کے سُننے کو وہاں آ کر جمع ہوگئی تھی، راستے بند ہو گئے تھے، آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے، اس دل پذیر وعظ کا نتیجہ ہوا کہ جس قدر جوان عورتیں قابلِ نکاح اس مجمع میں

موجود تھیں انہوں نے توبہ کر کے نکاح کر لیا اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ نائکہ وغیرہ تھیں، انہوں نے محنت ومزدوری سے اپنی گزران کرنی شروع کی۔ (۱)

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان مواعظ وغیرہ کا نتیجہ صرف مخالفت ہوا، ہزاروں بندگان خدا کو نفع بھی ہو، ہزاروں جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آئے، شاہ صاحبؒ کی تقریروں کی کامیابی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ دہلی میں اس سے ہنگامہ مچ گیا اور آپ کی آواز جہاں نہ پہنچ سکتی تھی دشمنوں کے ذریعہ سے پہنچ گئی اور حجت تمام ہوگئی۔

آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ پتھر موم اور دشمن دوست، منکر معتقد ہو جاتا تھا، اس کے لئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہوگا جو حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی اپنا چشم دید بیان کرتے ہیں، حکیم خادم علی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اور کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا، شکار کے لئے چلے، قطب صاحب کی پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گوشائیں رہتا تھا جو مرتاض تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے، اس کی کٹیا کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے مور کا شکار کیا، اس پر اس گوشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گوشائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر اُدھر کو چلے، مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار! جب تک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم ذرا نرمی کرو، ہم ان شاء اللہ مور اس کو کھلا کر چلیں گے، یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گوشائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گوشائیں صاحب! ذرا میری بات سُن لیجئے، اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے، ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں، غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اُس کو نرم کیا، اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی، اس کے بعد وہ گوسائیں اور اُس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے، مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور (مور) پکوا کر اس کو کھلایا۔ (۲)

کبھی آپ باتوں اور چٹکلوں میں ایسا شرح صدر کر دیتے جو طویل تقریروں اور

---

(۱) سوانح احمدی وحیات طیبہ (۲) ارواح ثلاثہ

مناظروں سے نہیں ہوسکتا، بادشاہ کی ایک عزیزہ تھیں جن کا نام بی چھکّو تھا، بڑی تیز مزاج اور آتش زبان تھیں، اُن سے کسی نے کہا کہ مولانا اسمٰعیل، بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ وعظ کے حیلہ سے یا کسی اور حیلہ سے آپ کو اُن کو یہاں بُلایا گیا تا کہ ذلیل کیا جائے، مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور خالی الذہن تھے، آنے کے بعد آپ کو حال معلوم ہوا، مولانا نے بیگم صاحبہ کو اس طرح سلام کیا جیسے چھوٹے بزرگوں کو کرتے ہیں، انہوں نے کہا، اسمٰعیل! میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو، فرمایا: اسمٰعیل کی کیا مجال ہے کہ بی بی کی صحنک کو منع کرے، بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں، کہا یہ کیسے؟ آپ نے ''کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار'' یا حدیث ''من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد'' پڑھ کر اس پر تقریر کی، اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں، ہم تو اُن کی رضامندی کے لئے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

ایک روز آپ دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ اُن کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے، یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ اکبر ثانی کو اس کی شکایت پہنچی، بادشاہ نے مولانا کو بُلوایا اور ان سے واقعہ دریافت کیا، مولانا نے واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں، بادشاہ نے تیز لہجہ میں کہا کہ عجب بات ہے کہ آپ مصنوعی کہتے ہیں، مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، اکبر شاہ نے تعجب سے پوچھا: یہ کیسے؟ مولانا نے فرمایا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لئے نہیں تشریف لے گئے۔ یہ سُن کر اکبر شاہ چپ ہو رہے، پھر آپ نے کسی سے کہا ذرا قرآن شریف اور بخاری لاؤ، آپ نے اُن کو ہاتھ میں لے کر واپس کر دیا، اس کے بعد فرمایا کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی، لیکن اگر اُن کو اصلی مان بھی لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں، بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے، لیکن قرآن شریف کے کلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اسی

طرح بخاری شریف بھی قری قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، اس لئے اس کا بھی کلامِ رسولؐ ہونا ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مگر باوجود ان تمام ناقابلِ انکار باتوں کے کلامِ خدا و کلام رسولؐ آپ کے سامنے آیا مگر آپ نے کوئی تعظیم نہ دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں، اثناءِ تقریر میں بادشاہ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آپ نے اس کی بھی حُرمت بیان کی، بادشاہ نے فوراً اُتار دیے، ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا تھا، جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، اُس نے داڑھی رکھ لی۔ (۱)

سب سے بڑھ کر آپ کا اخلاص، حرصِ ہدایت اور نیک نیتی تھی اور حقیقت میں سب تاثیر اسی کی تھی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی جو خلقاً وخُلقاً شاہ صاحبؒ سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ وخطیب تھے، سیّد صاحبؒ کے دیکھنے والوں نے انقراض محبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سُنا، البتہ اگر کبھی اتفاق ہُوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سُنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کے وعظ سے بہت ملتا ہے۔ (۲)

مولانا بہت کم وعظ فرماتے تھے، اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو کہہ دیتے، ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا:

> ''وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہوسکتا ہے، وعظ کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا اور اُنہیں کا وعظ مؤثر بھی ہوسکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کرلے، اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اُس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اُس کی اُسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد

---

(۱) امیر الروایات۔ (۲) ارمغانِ احباب

اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اُس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اُس کا وعظ مؤثر ہوسکتا ہے، ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں نہ ہمارا وعظ مؤثر ہوسکتا ہے۔ ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے اُن کو چین نہ آتا تھا، چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے، اس لئے وہ وعظ کے اہل تھے اور اُن کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا۔"(۱)

علمی کمالات اور عملی جدوجہد کے ساتھ شاہ صاحب دولتِ باطن اور کمالاتِ روحانی سے بھی مالا مال تھے اور بغیر اس کے دعوت وعزیمت کا اتنا عظیم الشان کام اور اخلاص واستقامت کا مقام حاصل ہونا مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے علوِ مقام کا اندازہ آپ کے حالات اور کسی قدر تصنیفات سے ہوسکتا ہے۔ مولوی سید جعفر علی جن کو سفرِ جہاد اور قیام سرحد کے دوران میں آپ کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملا ہے، لکھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ "مجھے نماز میں غفلت نہیں ہوتی، ہوتی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ متنبہ فرما دیتا ہے۔" ان کا بیان ہے کہ آخری رمضان میں مولانا اس قدر بیمار اور ضعیف تھے کہ تراویح میں شرکت نہیں کر سکتے تھے، ایک روز آپ نے شرکت فرمائی اور چار رکعتیں خود پڑھائیں جن میں سورۂ اسراء پڑھی، مولوی جعفر علی کہتے ہیں کہ جو لذت اس نماز میں آئی وہ نہ اس سے پہلے کبھی آئی تھی نہ اس کے بعد کبھی آئی۔ (منظورہ)۔

شاہ صاحبؒ زبانی وعظ وتبلیغ اور اس کے نتیجہ پر قانع نہ تھے، اُن کی اولوالعزم طبیعت اسلام کی صحیح اور پائیدار خدمت کے لئے بے چین رہتی تھی، انہوں نے سالہا سال کے عملی تجربہ سے محسوس کیا کہ ان کے مواعظ سے چند سعید رُوحیں اور چند سلیم طبیعتیں ضرور فائدہ اُٹھائیں گی، اگرچہ یہ اپنی نجات وبراءت کے لئے کافی ہو لیکن اس سے کوئی خاص انقلاب نہیں ہوگا، اس کے لئے شریعت حکومت سے لے کر گھر تک کا قانون ہو، ملک میں سنت ہی کا سکہ چلے، قوت

---

(۱) ارمغانِ احباب

اور اقتدار کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحبؒ اسلام کے سپاہی بننا چاہتے تھے اور سپاہی کو ان تمام ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو دشمن کے پاس ہوں یا جن کی ضرورت پڑے اور پہلے بھی آپ نے علم کو ہتھیار کے طور پر حاصل کیا کہ اسلام کی خدمت کے لئے علم بھی ایک ہتھیار ہے پھر اپنے کو جہاد کے لئے تیار کیا، اس وقت کے تمام اسلحہ کا استعمال سیکھا، میدانِ جنگ کی تمام سختیوں اور جفاکشیوں کا عادی بنایا، اس لئے کہ مقصود اسلام کی خدمت تھی، خواہ عالم بن کر، خواہ واعظ بن کر، خواہ میدان کا سپاہی بن کر، مآل سب کا ایک ہی تھا۔

یہ کس قدر تفقہ اور حکمت و فراست تھی اور صرف علماء ہی کے گروہ میں نہیں بلکہ اُس وقت بلحاظ نیت عام مسلمانوں میں کتنی نئی اور عالی ہمّتی کی بات تھی کہ جس وقت تیموری شاہزادے بابر و ہمایوں کی تلواروں سے فتح کی ہوئی سلطنت کھوکر اپنے عشرت خانوں میں میٹھی نیند سوتے تھے، یہ اللہ کا بندہ اس دُھن میں ہوتا تھا کہ اپنے جدّ امجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سلطنتِ عادلہ شرعیہ دُنیا میں دوبارہ لوٹ آئے اور یہ اُسی مقصد کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔	''وہ لوگ جن کو جب زمین میں قدرت دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، بُرائی سے روکیں۔''

اس وقت آپ کا ہر لمحہ اسی کی تیاری کے لئے صرف ہوتا تھا، دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب لوگ خس خانوں میں ہوتے اور کوئی اپنے عافیت خانہ سے مُنہ نہ نکالتا، آپ جامع مسجد فتحپوری کے توے کی طرح جلتے ہوئے پتھر پر ننگے پاؤں چلتے تاکہ میدانِ جہاد میں اگر اس کا موقع ہو تو تکلّف نہ ہو، مسلسل ہفتوں جاگنے کی عادت ڈالی، عین وقت پر بلا تاخیر سو جاتے اور عین وقت پر جاگ جاتے، کئی کئی روز مسلسل بھوکے پیاسے رہتے، کئی کئی روز مسلسل پانی میں پیرنے کی مشق کی، ہر فن کے اہل کمال سے مردانگی کے فنون، بنوٹ، شمشیر زنی، نیزہ بازی، قادر اندازی حاصل کئے اور اُن میں پورا کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ دُور دُور آپ کا جواب نہ رہا، اکثر ایسا ہوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو جامع مسجد یا مسجد فتحپوری کے فرش پر تن تنہا

ٹہلتے ہوئے دیکھ کر آپ پر حملہ کرنے کے لئے آئے، جیسے ہی پتھر پر پیر رکھا، معلوم ہوا جلتے ہوئے توے پر پیر پڑ گیا، بیتاب ہو کر اُٹھالیا، معاً یہ خیال آیا کہ یہ شیخ ولی ہے جو اس بے پروائی سے اس آگ پر چل رہا ہے اور فوراً معتقد ہو کر تائب ہو گئے اور جاں نثار بن گئے۔

کبھی لوگوں نے ایسے وقت آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) فرمایا: یہی دیکھتا ہوں کہ میری وسعت اور طاقت کتنی ہے؟

گولی لگانے کی ایسی مشق تھی کہ اعتماد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ناممکن ہے کہ کوئی چڑیا سامنے آئے اور بچ جائے، کسی نے کہا کہ اگر اُس کی قضا ہی نہ ہو؟ فرمایا کہ جس کی قضا نہ ہوگی وہ میرے سامنے آئے ہی گی نہیں، آئے گی وہی جس کی قضا ہوگی۔

ان فنون میں بھی آپ کے کمالات، آپ کے کمالاتِ علمی و دماغی سے کم نہیں رہے، بعد کی سرحدی جنگوں میں آپ کی مردانگی و پختگی کے جوہر کھُلے اور معلوم ہوا کہ یہ شخص مفسر و محدّث وفقیہ کے ساتھ کتنا بڑا جرنیل اور کتنا بہتر فوجی اور سپاہی ہے۔ لشکرِ مجاہدین کے آپ ہی سپہ سالارِ اعظم تھے اور آپ کی فوجی قابلیت وجنگی مہارت نے بڑی نا قابلِ تسخیر مہموں کو چٹکیوں میں سر کیا اور بڑے بڑے نازک موقعوں پر آپ نے اپنے فن اور تجربے سے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

آپ کا یہ کمال آپ کے دشمنوں کو بھی تسلیم تھا، آپ کی ہیبت اُن کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ (۱)

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر اہلِ کمال نادانستہ طریقہ پر ایک دوسرے صاحب کمال کے منتظم ومجتمع ہوتے ہیں، قدرت ان کے سارے کمالات کے ساتھ ان میں ایک خلا

(۱) مولوی سید جعفر علی ''منظورۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا کا رعب درّانیوں کے دلوں پر ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ ایک درانی ایک عورت کے گھر میں گھُس کر وہاں کا سامان اُٹھانے لگا، اس عورت نے پکار کر کہا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب آپ کہاں ہیں، درّانی میرے گھر کا سامان لئے جا رہا ہے، یہ سنتے ہی وہ درّانی سامان چھوڑ کر بھاگ گیا، اس موقع پر مولوی صاحب نے یہ شعر لکھا ہے ؎

اے نشان حیدری زجبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار

رکھتی ہے جو صرف اس وقت پھرتا ہے جب یہ دوسرا آدمی اُن کو مل جاتا ہے، پھر یہ کیمیا بن جاتے ہیں، جس طرح بغیر دو تاروں کے ملے ہوئے بجلی نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح اس اتصال و اشتراک کے بغیر وہ قوت کہربائی نہیں پیدا ہوتی جو دلوں اور قلعوں کو تسخیر کرتی ہے۔

مولانا نے سید صاحبؒ سے بیعت کی، بیعت کے بعد آپ کا یہ حال تھا کہ سید صاحبؒ کی جوتیاں اٹھاتے پالکی کے پیچھے پیدل چلتے، رکاب تھامتے، شکار بند پکڑ کر چلتے، مولوی محمد حسین صاحب کہتے ہیں:

''راستہ میں حضرت فرماتے کہ مولانا! خدا نے سواری دی ہے، سوار ہولو، بس جا کر سوار ہو جاتے، بیس قدم چل کر پھر اُتر پڑتے اور شکار بند آ کر پکڑ لیتے پھر حضرت فرماتے، مولانا! منزل تک سوار ہو چلو، ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ حضرت اسمٰعیل کو اتنی بھی مفارقت گوارا نہیں۔''(۱)

مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جب حضرت سید صاحبؒ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو دیوبند کے بوڑھے بوڑھے لوگ استقبال کو نکلے، شہر کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے، وہاں تک پہنچے کہ سید صاحب نظر آئے، ایک ٹانگھن پر سوار تھے اور دونوں طرف دو شخص رکاب تھامے ہوئے چلے آتے تھے، ان لوگوں نے آگے بڑھ کر ملاقات کی، اس وقت تک دونوں بزرگوں کی ظاہری وضع و ہیئت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ ان سے ملو، یہ مولانا محمد اسمٰعیل و مولانا عبدالحی ہیں۔''(۲)

مولانا محمد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص نے شاہ صاحبؒ سے کہا، حضرت آپ کی عمر اور سیّد صاحبؒ کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر، عمر سیّد صاحبؒ کی ہے، میری کیا عُمر، میں اُن کا غلام ہوں، اس لفظ کو مکرّر کہتے رہے۔''(۳)

(۱-۲) ارمغان احباب

تکیہ (رائے بریلی) کے قیام میں یہ فاضل بے بدل سید صاحبؒ کے فرمائے ہوئے مضمون کو تختی پر لکھتا اور سید صاحب کو سناتا، سید صاحبؒ کبھی کبھی پانچ پانچ مرتبہ دھلواتے اور لکھواتے اور آپ کی پیشانی پر شکن نہ آتا ''صراط مستقیم'' میں تین تین چار چار سطروں کے القاب میں سید صاحبؒ کا نام لیتے ہیں۔

مولوی محمد جعفر صاحب ''سوانحِ احمدی'' میں آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''جس تاریخ سے یہ دونوں بزرگ داخل خدام ہوئے تھے، اس تاریخ سے تا مرگ بلا کسی دینی ضرورت کے آپ کی خدمت بابرکت سے ایک دم بھی علیٰحدہ نہیں ہوئے اور حق تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سیّد صاحبؒ کو خوب پہچانا تھا، ان کی جاں نثاری اور فرمانبرداری ضرب المثل ہے، یہ دونوں بزرگ آپ کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنے کو فخرِ دارین جانتے تھے اور ان دونوں سرتاج عُلماء دہلی نے جن کی تعظیم بادشاہ دہلی تک کرتے تھے، اپنے تئیں بالکل مِٹا دیا تھا، پاخانہ کماتے، چکی پیستے، دانہ بوتے، گھاس کھودتے، بوجھ اُٹھاتے، سائیسی کرتے، غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی آپ کو عار نہ تھا، روحانی برکات حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں خاندانی بزرگ مقتدائے قوم و امیر زادے، ناز و نعمت میں پلے ہوئے، دہلی سے خوش خوراک اور خوش وضع شہر کے باشندے اب بچی کھُچی کھچڑی یا اُس کی کھُرچن کھا کر یا دو تین وقت کڑاکے کے فاقے کھینچ کر اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سو کر ایسے خوش خرّم اور شاداں و فرحاں رہتے تھے کہ وہ کبھی ان کو دہلی کے پلاؤ قورمہ توشک و تکیہ میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔''

رائے بریلی سے سیّد صاحبؒ کی معیت میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور سید صاحبؒ کے ساتھ قیام فرمایا اور اصلاح و ارشاد کا کام اسی زور شور سے شروع کر دیا جیسے دہلی میں آپ کرتے

تھے، آپ کے مواعظ میں سارا شہر ٹوٹ پڑتا تھا اور مسجدوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی تھی، لکھنؤ میں آپ کی قدرت لسانی وسحر بیانی کی شہرت پہلے سے تھی، اُمراء وحکّام سے لے کر عوام تک ان تقریروں سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ میں اصلاحِ خیال کی ایک لہر دوڑ گئی۔

لکھنؤ کے کامیاب سفر کے بعد آپ برابر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں رہے، اسی زمانہ میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی، جس نے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس کی مخالفت میں جو کچھ کہا اور کیا گیا ہے اس کی تاثیر اور اہمیت کی دلیل ہے، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ ''مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں اس سے دوڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور اُن کے بعد جو نفع ہوا، اس کا تو اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔''

حج سے آنے کے بعد آپ نے گلی کوچہ اور شہر وقریہ میں جہاد کا وعظ کہا اور ہزاروں آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سر دینے پر آمادہ کر لیا، پھر سیّد صاحبؒ اور صدہا مجاہدین و مہاجرین کی معیت میں آپ نے ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور سفرِ جہاد کیا جو خود جہاد سے کم نہ تھا، پھر آخری سانس تک اسی عبادت میں مشغول رہے اور کبھی بھول کر بھی اپنے وطن کا خیال دل میں نہ لائے، نہ کبھی آسائش وآرام اور اعزاز واکرام کی اس زندگی کو یاد کیا جس کو آپ ہندوستان میں چھوڑ کر آئے تھے، آپ کی یہ قُربانی کچھ کم نہ تھی کہ آپ نے اس مقصدِ عزیز کے لئے دولت وعزّت اور امیرانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر فقر وفاقہ، جفاکشی اور ہر وقت خطرات سے بھری ہوئی زندگی اختیار کی، میدانِ جہاد سے اپنے ایک دوست شاہ سیّد طالب اللہ کے نام ایک خط میں آپ نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے جو آپ کا اور آپ کے بہت سے رُفقاء کا حال تھا۔

مخدوما ما مردم را کار دُنیاوی در ہر آن بصد مراتب بہتر از کاروبار ایشاں لاحق حال بود، چہ ما مخلصان ہم از نوعِ بشر ہستیم، نہ از قسم مَلک وساکنان زمین ہستیم، نہ کرد بیان فلک، انواعِ معاش ہزار مرتبہ از ایشاں بہتری داشتیم، وخود را از ملوک زمین وزماں

مخدوم، سن! ہم لوگ دُنیاوی کاروبار بھی ان لوگوں سے (جو اپنی مشغولیت وذمہ داری کا عُذر بیان کرتے ہیں) سیکڑوں گنا زیادہ رکھتے تھے اس لئے کہ ہم نیازمند بھی انسان ہی ہیں، فرشتہ نہیں اور زمینی مخلوق ہیں، آسمانی نہیں، ذرائع معاش اُن سے کہیں بہتر رکھتے

می پنداشتیم لیکن ازلیکہ از جملہ مسلمانانِ کلمہ گو بودیم واز جنس طالبانِ حق جو، چوں رضائے مولائے خود منحصر در اقامتِ جہاد در یافتیم آں ہمہ مشاغل بیہودہ را محض جستہ للہ بگذاشتیم۔

تھے، اور اپنے کو بادشاہ سمجھتے تھے، لیکن چونکہ کلمہ گو مسلمانوں کے گروہ میں تھے اور حق کے طالب اور جویا تھے، جب ہم نے دیکھا کہ مالک کی مرضی اس وقت جہاد کے قائم کرنے ہی میں ہے، ان تمام بیکار مشاغل کو اللہ کی خوشی کے لئے خیرباد کہہ دیا۔

اس مقصد کا حقیقی عشق اور اس کی راہ میں اخلاص کا ایسا مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا کہ نفسانیت اور جاہ طلبی اور خودی کا نام ونشان باقی نہیں رہا تھا، اسی خط کے ایک ٹکڑہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

اگر جناب امام ہمارا مرا ازیں عسکر سعادت پیکر بصد عنف واہانت بیروں فرمایند و بصد خواری و مذلت اخراج نمایند ہرگز ہرگز انفکاک ازیں جنود املاک نتوانم وجان خود باز بصد حیلہ وفن از خدام ایشاں رسانم

اگر سید صاحب مجھے اس مبارک لشکر سے نہایت سختی اور ذلت و اہانت کے ساتھ نکال دیں اور باہر کر دیں تو بھی ہرگز ہرگز اس فرشتہ صفت فوج سے دور نہیں ہوسکتا، سو تدبیروں سے پھر اُن کے خدام میں شامل ہوجاؤں گا۔

نگینہ کے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جو جہاد میں شریک تھے، بیان کرتے ہیں کہ بالاکوٹ میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جایئے، آپ کے جہاد لسانی سے ان شاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا کو بہت فائدہ پہونچے گا، مولوی صاحبؒ نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ حضرت یہ سر تصدق کرنے کو لایا ہوں، آپ مجھ کو اجازت ہی دیجئے، سید صاحب خاموش ہوگئے اور مولانا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھا میں لگی، انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے۔ سید صاحبؒ نے پھر منع فرمایا مگر مولانا نے الحاح وزاری سے اجازت مانگی اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین مرتبہ سید صاحبؒ نے روکا، آخر کو مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی

پیشانی پر ایک زخم کاری لگا اور آپ شہید ہوئے۔ (۱)

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اِس عہد کو ہم وفا کر چلے

جسدِ مُبارک کو شناخت کر کے ندی کے ایک کنارے اپنے مولد اور اپنے اجدادِ کرام کے مدفن سے سیکڑوں میل دور نہایت سادہ طریقہ پر سُپردِ خاک کر دیا گیا۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا تذکرہ میرے نزدیک اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک کہ اس سلوک کا ذکر نہ کیا جائے جو ان کی زندگی کو چھوڑ کر ان کی شہادت کے بعد ان کے ساتھ اس قوم نے کیا جس کی عزت و آبرو کے لئے انہوں نے اپنا سر کٹایا اور جس کے زندہ رہنے کے لئے وہ مر گئے۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۹۲۶ء سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے، شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جس کی اور فضیلتیں برطرف، اس کی شہادت مسلم اور شہداء کی مغفرت مسلم، تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، عُلماء کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی اُمیّہ کے دربار میں نہیں کی گئی، فِقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمنِ اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارق از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کُفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر، اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لئے اس نے اپنا سر کٹایا، تو کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دُنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت

(۱) ارمغان احباب از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف ''نزہۃ الخواطر''، یہ کتاب ''دہلی اور اس کے اطراف'' کے نام سے مکتبۃ ندوۃ العلماء اور انجمن ترقی اُردو دہلی کی طرف سے شائع ہوئی۔

پنجاب میں مسلمانوں کا دین وایمان، جان و مال، عزّت وآبرو محفوظ نہ تھی، سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں، مساجد کی بے حُرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے، اس وقت یہ غیرت ایمانی وحمیّت اسلامی والے جو ایک ''کلمۂ کفر، برداشت نہیں کر سکتے، کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں؟

ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو لیکن ؎

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہادیٔ زمانہ مُرشدِ یگانہ

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کی نظر میں

تصوف وسلوک کی مشہور کتاب ''صراط مستقیم'' کے خاتمہ کا اردو ترجمہ

''صراط مستقیم'' کے مُرتّب زبدۃ الاولیاء الکاملین، عمدۃ العلماء المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید قدس سرّہ نے اپنے پیر ومرشد امیر المومنین، امام المجاہدین، قطب الاقطاب مجدّد مأتہ سیزدہم حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہٗ کے حصول نسبت نبوّت اور تحصیل سلوک ولایت پر عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ ''خاتمہ'' سے پہلے ابتدائیہ کی وہ سطور بھی نقل کردی جائیں جن میں مرید اخلاص کیش وجاں نثار نے اپنے مُرشد یگانہ وہادیٔ زمانہ کو عقیدت ومحبت کی زبان شیریں سے ان الفاظ میں یاد کیا ہے:۔ مولانا سید انور حسین رقم شاہ نفیس الحسینی لاہوری رحمہ اللہ (ماخوذ: از رسالہ اشغال، مطبوعہ لاہور)

''عاجز ذلیل الراجی الرحمۃ اللہ الجلیل بندۂ ضعیف محمد اسمٰعیل کہ نعمِ الٰہی دربارۂ ایں ضعیف نامتناہی است واز اعاظم آں حضور محفل ہدایت منزل ملازمانِ فخر خاندان سیادت، مرجع ارباب ہدایت، مرکز دائرۂ ولایت، دلیل سبیل فلاح ورشاد، رہنمائے طریق استقامت وسداد، مظہر انوار نبوی، منبع آثار مصطفوی، سلالۂ خاندان صلب طاہر سیّد الاولیاء اعنی علی مرتضیٰؓ، نقاوۂ دودمانِ سبطہ اکبر سند الاصفیاء اعنی حسنِ مجتبیٰؓ، مقتدائے اصحاب شریعت، پیشوائے ارباب طریقت، ہادیٔ زمانہ، مرشدِ یگانہ، سراج المحبین، تاج المحبوبین الامام الاوحد السیّد احمد مَتَّعَ اللّٰہُ الْمُسْلِمِیْنَ بِطُوْلِ

بَقَائِہٖ وَ نَفَعَنَا وَ سَائِرَ الطَّالِبِیْنَ بِاَقْوَالِہٖ وَ اَفْعَالِہٖ وَ اَحْوَالِہٖ است۔"

پس جاننا چاہئے کہ حضرت ایشان (سیّد احمد شہیدؒ) کی جبلت ابتدائے فطرت ہی سے کمالات طریق نبوّت پر اجمالاً مائل تھی، اس طریق کے آثار یعنی وجدانی طور پر مناجات کی لذّت پانا، بالخصوص نماز میں، اور شرع شریف کی تعظیم، اتباع سُنّت کی نہایت درجہ رغبت، آلودگیٔ بدعت سے کمال نفرت، طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی وسیّئات سے جبلی کراہت بچپن سے آپ پر ظاہر و باہر تھی۔ القصہ طہارت جبلّیہ کے آثار آپ کی طبیعت کی تہہ میں ظاہر اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک پر ہویدا تھے۔ حتیٰ کہ سعادتوں کے خزائن کی کلید کہ جس کی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریق نبوّت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھُل جائیں، آپ کے ہاتھ آگئی، یعنی آپ جناب ہدایت مآب، قدوۂ ارباب صدق وصفا، زبدۂ اصحاب فنا و بقا، سیّد العلماء وسند الاولیاء، حجّۃ اللہ علی العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجعِ ہر ذلیل وعزیز، مولانا ومُرشدنا الشیخ عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ واعزّنا وسائر المسلمین بمجدہٖ وعلائہٖ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کو اُن کے حضور طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کا شرف حاصل ہوا، حصول بیعت کے یمن اور آنجناب کی توجّہات کی برکت سے آپ پر نہایت عجیب و نادر معاملات ظاہر ہوئے، اُنہیں وقائع عجیبہ کے سبب کمالات طریق نبوّت جو ابتدائے فطرت ہی سے اجمالی طور پر مندرج تھے، تفصیل وشرح کے ساتھ انجام پائے اور مقالات طریق ولایت نہایت اچھی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔

ان معاملات میں سب سے اوّل اور افضل یہ ہے کہ آپ نے جناب رسالتمآب صلوات اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، آنحضور ﷺ نے تین کھجوریں اپنے دست مبارک سے آپ کو کھلائیں، اس انداز سے کہ ایک ایک کھجور اپنے دست مبارک میں لے کر آپ کے دہن میں رکھتے تھے، اس کے بعد جب آپ بیدار ہوئے تو اپنے اندر اس رؤیائے حقّہ کا اثر ظاہر و باہر محسوس کیا، اس واقعہ سے آپ کو سلوکِ طریق نبوّت کی ابتدا حاصل ہوگئی۔

بعد ازاں ایک دن جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور جناب سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا، پس جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور آپ کے بدن کو خوب اچھی طرح مل مل کر دھویا، جس

طرح والدین اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں، پھر جناب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ایک نہایت نفیس لباس اپنے دست مبارک سے آپ کو پہنایا۔ پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوّت نہایت جلوہ گر ہوئے اور مقبولیت ازلی جو کہ ازل الآزال میں مخفی تھی، منصّہ ظہور پر آ گئی، عنایت رحمانی اور تربیت یزدانی بغیر کسی واسطے کے آپ کے حال کی مُتکفّل ہوئی اور ''معاملات متواترہ'' اور ''وقائعِ متکاثرہ'' پے در پے وقوع میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک روز حضرت جلّ وعلا نے آپ کا داہنا ہاتھ اپنے ''دستِ قدرت خاص'' میں پکڑا اور ''امور قدسیہ'' میں سے ایک چیز جو کہ نہایت رفیع و بدیع تھی، آپ کے سامنے کر کے فرمایا، ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے اور دیگر چیزیں بھی دیں گے۔

حتی کہ ایک شخص نے حضرت سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بیعت کی استدعا کی۔ حضرت اُن دنوں عام طور پر بیعت نہیں لیا کرتے تھے، اِس بناء پر اُس شخص کی التماس قبول نہ فرمائی۔ اُس نے نہایت درجہ الحاح کی، حضرت نے اُسے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہئے، بعد میں جو کچھ مناسبِ وقت ہوگا وہی عمل میں آئے گا۔ پھر آپ حضرتِ حق کی جناب میں استفسار و اجازت کے لئے متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ مجھ سے بیعت کی استدعا کرتا ہے۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے تو ہمیشہ دستگیری کا پاس کرتا ہے، آپ کے اوصاف کو مخلوقات کے اخلاق سے کچھ بھی نسبت نہیں، پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے؟ بارگاہِ حق سے حکم ہوا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت ہوں گے اگرچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں، ہم سب کو کفایت کریں گے۔''

القصّہ اس قسم کے واقعات اور ایسے ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے۔ یہاں تک کہ کمالات طریق نبوّت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچے اور الہام اور کشفِ علومِ حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے، یہ ہے طریقِ استفادۂ کمالاتِ راہ نبوّت۔

اور کمالاتِ راہِ ولایت کے استفادہ کا طریق اوّل اس طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے طریقوں میں سے ہر طریق میں مجاہدات و ریاضات، اذکار و اشغال اور مراقبات معین کیے ہوئے ہیں، ان اُمور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں اثر پیدا کرتا ہے اور اشغال کے ثمرات وارد ہونے کے سبب سے ایک ''امرِ مستقر'' طالب کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس

امر کے سبب سے طالب علم قدس سے ارتباط رکھتا ہے، اور وہی امر حضرت حق جل وعلا کے ساتھ طالب کے علاقے کا موجب ہوتا ہے وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے، خواہ اس امر کی جانب طالب کی نظر ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف توجہ کے سبب اس کے آثار منصۂ ظہور پر آجاتے ہیں ورنہ اس کے جوہر نفس میں مخفی رہتے ہیں۔ اس امر کو عرفِ قوم (صوفیہ) میں ''نسبت'' کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص جو معقول کی کتابوں کی بہ تکرار خواندگی کرتا یا دوسرے صنائع جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو کچھ مدت کے بعد اس کے اندر ایک ''امر مستقر'' پیدا ہو جائے گا، جسے ملکۂ صناعت کہتے ہیں، بلکہ وہ اُس شخص کے نفس میں دائماً مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس ملکہ کی جانب التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے اور اس کو بروئے کار لاتا ہے تو اس کے آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں ورنہ پردۂ اخفا میں مخفی رہتے ہیں۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہئے کہ اگرچہ عادت اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ مجاہدات وریاضات واذکار واشغال کے مبادی کی تحصیل کے بعد ''نسبت'' ہاتھ آتی ہے۔ لیکن خرقِ عادت کے طور پر بعض نفوسِ کاملہ کو اوّلاً نسبت حاصل ہوتی ہے، بعد ازاں مبادی، مثلاً عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ کتاب وسنّت کے مضامین کتب عربیہ اور فنونِ ادبیہ کی تحصیل کے بعد ہاتھ آتے ہیں لیکن بعض نفوسِ کاملہ کو خرقِ عادت کے طور پر اوّلاً ان مضامین لطیفہ پر اطّلاع بخشی جاتی ہے، اسے اصطلاح قوم (صوفیہ) میں علمِ لدُنّی کہتے ہیں۔ فنونِ ادبیہ انہیں ثانیاً حاصل ہوتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحصیل مبادی میں وہ دوسرے متبدیوں کی مانند ان فنون کے اساتذہ کے محتاج ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی مبادی سے عاری ہی رہ جاتے ہیں۔

القصہ حضرت ایشان (سیّد صاحب) کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہوگئی۔ نسبت قادریہ ونقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ آنجناب ہدایتِ مآب (حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ) کی بیعت کی برکت اور ان کی توجہات کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلینؒ اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی مقدس رُوحیں آپ کے متوجّہ حال ہوئیں اور قریباً ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روحیں مقدسین کے مابین فی الجملہ ایک تنازع رہا، کیوں کہ ان ہر دو اماموں میں سے ہر ایک

آپ کو بتمامہٖ اپنی جانب جذب کرنے کا متقاضی تھا، یہاں تک کہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر مصالحت واقع ہونے کے بعد ایک روز دونوں مقدس رُوحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر تک دونوں امام آپ کے نفسِ نفیس پر ''توجہ قوی'' اور ''تاثیر زور آور'' فرماتے رہے، حتیٰ کہ اسی ایک پہر میں حضرت کو ہر دو طریقہ کی نسبت نصیب ہوگئی۔

اور نسبت چشتیہ کا بیان اس طرح ہے کہ ایک روز حضرتِ ایشان (سیّد احمد شہیدؒ) حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مرقدِ منور کی طرف تشریف لے گئے اور اُن کے مرقدِ مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے، اس اثناء میں اُن کی روح پُرفتوح سے ملاقات متحقق ہوئی، آنجناب حضرتِ قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت توجّہ فرمائی، اس توجّہ کی وجہ سے نسبتِ چشتیہ کا ابتدائی حصول متحقق ہوگیا۔ اِس واقعہ سے ایک مدت گزرنے کے بعد ایک روز مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی (اللہ تعالیٰ اسے آفاتِ زمانہ سے محفوظ رکھے) میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، چنانچہ راقم الحروف بھی اس محفلِ ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سِلک میں منسلِک تھا، سب حاضرینِ محفل مراقبہ کے گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے، اور حضرت سب مستفیدوں پر توجّہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس ملائک مانس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جلّ وعلا نے محض اپنی عنایت سے بلاواسطہ کسی کے نسبتِ چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے طریقۂ چشتیہ کی تلقین وتعلیم میں بازوئے ہمّت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب (صراط مستقیم) مشتمل ہے، یہ ہے طریقہ تینوں نسبتوں کے استفادے کا۔

اور باقی تمام نسبتوں، نسبتِ مجدّدیہ وشاذلیہ وغیرہ کا استفادہ، تو جاننا چاہئے کہ کمالات راہِ نبوّت، ارباب کمال کی بصیرت کو کحلِ قُدسی سے سُرمہ ناک کر دیتے ہیں اور کحلِ قدسی کی وجہ سے اُن کا نُورِ بصیرت حدّت وتیزی اختیار کر لیتا ہے، اُن کی رُوحِ قدسی آنکھ کی مانند کھُل جاتی ہے حتی کہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اُس چیز کے دقائقِ درد قائق کو اپنی استعداد کے مطابق کماحقہ پا لیتے ہیں۔ پس گویا ولایت کی تمام نسبتیں سالکِ راہِ نبوّت کے کمال میں مجملاً مندرج ہوتی ہیں۔ جُوں ہی کسی چیز کی طرف ایک ادنیٰ التفات متحقق ہُوا تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح وبسط کے ساتھ اُن کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔

مجدّدِ اسلام حضرت سید احمد شہیدؒ

انوارِ شریعت و فیوضِ طریقت کا مجمع البحرین

یہ مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی گرانقدر
تالیف ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' سے ملخص ہے۔

نفیس الحسینی

قطب العالم، مجدّد دین وملّت حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی ولادت باسعادت مقام تکیہ رائے بریلی (ہند) صفر ۱۲۰۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا خاندان برصغیر کے برگزیدہ خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ حضرت سیّد شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کی اولاد میں سے تھے، جنہیں امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفۂ اجل حضرت سیّد آدم بنوری قدس سرہٗ سے نسبت بیعت واجازت حاصل تھی۔

آپ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

سیّد احمد شہید بن سیّد محمد عرفان، بن سیّد محمد نُور بن سیّد محمد ہدیٰ بن سید شاہ علم اللہ بن سیّد محمد فضیل بن سیّد محمد معظم بن سیّد احمد بن قاضی سید محمود بن سیّد علاء الدین بن سیّد قطب الدین محمد ثانی بن سیّد صدر الدین ثانی بن سیّد زین الدین بن سیّد احمد، بن سیّد علی بن سیّد قیام الدین بن سیّد صدر الدین بن قاضی سیّد رکن الدین بن امیر سیّد نظام الدین بن امیر کبیر سیّد قطب الدین محمد حسنی الحسینی المدنی الکڑوی بن سیّد رشید الدین احمد مدنی بن سیّد محمد یوسف بن سیّد عیسیٰ

بن سید حسن بن سیّد ابی الحسن بن ابی جعفر بن قاسم بن ابی محمد عبداللہ بن سیّد حسن الاعور الجواد نقیب کوفہ بن سیّد محمد ثانی بن ابی محمد عبداللہ اشتر بن سیّد محمد صاحب النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنّٰی بن امام حسنؓ بن امیر المومنین سیّدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ۔

حضرت حسن مثنّٰی کی شادی اپنے عم نامدار شہیدِ کربلا حضرت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ صُغریٰ سے ہوئی تھی، اس لئے اس خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔ ابتدا ہی سے آثار رُشد و ہدایت آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے۔ ذوقِ عبادت، شوق جہاد اور جذبۂ خدمت خلق سنِ شعور ہی سے طبیعت مبارک میں راسخ تھا۔ شباب کا زمانہ قریب آیا تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ حالات کے تقاضے سے آپ نے پہلے لکھنؤ اور پھر دہلی کا سفر کیا۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے خاندان سے آپ کے خاندان کے گہرے روابط تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں

دہلی پہنچ کر آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے مصافحہ و معانقہ کے بعد دریافت کیا کہ کہاں سے تشریف لائے؟ آپ نے عرض کیا: رائے بریلی سے۔ فرمایا کس خاندان سے ہیں؟ عرض کیا: وہاں کے سادات میں شمار ہے۔ فرمایا کہ سیّد ابوسعید صاحب و سیّد نعمان صاحب سے واقف ہیں؟ سیّد صاحب نے عرض کیا کہ سیّد ابُوسعید صاحب میرے نانا اور سیّد نعمان صاحب میرے حقیقی چچا ہیں۔ شاہ صاحب نے اُٹھ کر دوبارہ مصافحہ و مُعانقہ کیا اور پُوچھا کہ کس غرض کے لئے اس طویل سفر کی تکلیف برداشت کی؟ سیّد صاحب نے جواب دیا کہ آپ کی ذات مبارک کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لئے یہاں پہونچا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا فضل اگر شامل حال ہے تو اپنے ددھیال اور ننھیال کی میراث تم کو مل جائے گی۔ اس وقت شاہ صاحب نے ایک ملازم کی طرف اشارہ فرمایا کہ سیّد صاحب کو بھائی مولوی عبدالقادر صاحب کے یہاں پہنچا دو اور ان کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے کر کہنا کہ ''اس عزیز مہمان کی قدر کریں اور ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔ ان کا مفصل حال ملاقات کے وقت بیان کروں گا۔'' سید صاحب حسبِ ارشاد اکبر آبادی مسجد میں ترجمان القرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی تربیت میں ٹھہر گئے۔ سیّد صاحبؒ کو خاندانِ ولی اللّٰہی کے اِن دونوں بزرگوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ شاہ عبدالقادر

صاحبؒ کو سیّد صاحبؒ سے بڑی محبت تھی۔ ''امیر الروایات'' میں ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ کی بعض ادائیں دیکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے انہیں مانگ لیا تھا۔

شرفِ بیعت

سید صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے کچھ پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ چند دنوں کے بعد ایک شبِ جُمعہ کو آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ شاہ صاحبؒ نے طرقِ ثلاثہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں آپ کو داخل فرمالیا اور ذکر و اشغال تلقین فرمائے۔ سید صاحبؒ مسجد اکبر آبادی میں مشغول بحق رہتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی ایک مدّت تک آپ کو سلوک کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

آپ کو چند دنوں میں اس قدر باطنی ترقی ہوئی اور وہ بلند مقامات حاصل ہوئے جو بڑے بڑے سالکین و مشائخ کو برسہابرس کی ریاضت و مجاہدہ سے کم حاصل ہوئے ہیں۔ آپ پر بیداری و خواب میں اس قدر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش ہوئی جس کی نظیر کم بزرگوں کی تاریخ میں ملتی ہے۔ ''مخزنِ احمدی'' اور ''سوانح احمدی'' سے ایک واقعہ جو مُشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتا ہے، نقل کیا جاتا ہے:

انعاماتِ شبِ قدر

> ''قیام دہلی کے اثناء میں رمضان المبارک پڑا، اکیسویں شب کو آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس عشرہ کی کس رات میں شب بیداری کر کے شبِ قدر کی سعادت حاصل کی جائے۔ شاہ صاحبؒ نے متبسّم ہوکر فرمایا کہ فرزندِ عزیز! شب بیداری کا جو روزانہ معمول ہے، اسی طرح ان راتوں میں بھی عمل کرو، صرف شب بیداری سے کیا ہوتا ہے، دیکھو چوکیدار اور سپاہی ساری رات جاگتے رہتے ہیں مگر اس دولت سے بے نصیب و محروم رہتے ہیں۔ اگر تمہارے حال پر اللہ کا فضل ہے تو شبِ قدر میں اگر تم سوتے بھی

ہو گے تو اللہ تمہیں جگا کر ان برکات میں شریک کر دے گا۔ سیّد صاحبؒ یہ سُن کر اپنے مسکن پر آ گئے اور عادت کے مطابق شب بیداری کا معمول رکھا۔ ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے۔ تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے خواب ہی میں دیکھا کہ آپ کے داہنے طرف حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں۔ ''احمد، اُٹھ اور غُسل کر۔'' سیّد صاحبؒ ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا۔ آپ نے اس سے غُسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرزند! آج شبِ قدر ہے، یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دُعاء و مناجات کرو، اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔''

مؤلّفِ ''مخزنِ احمدی'' لکھتے ہیں کہ اس کے بعد سیّد صاحبؒ بارہا فرمایا کرتے تھے:

''اس رات کو اللہ کے فضل سے وارداتِ عجیب و واقعات غریب دیکھنے میں آئے۔ تمام درخت، پتھر اور دُنیا کی ہر چیز سجدہ میں تھی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول، مگر ان ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت فناءِ کلّی اور استغراقِ کامل مجھے حاصل ہوا۔ صبح میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سب حال بیان کیا، آپ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مُراد کو پہنچ گئے۔'' اُس وقت سے ترقیات و علوِ درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ''صراطِ مستقیم'' کے خاتمے میں اس قسم کے متعدد واقعاتِ عجیبہ و وارداتِ نادرہ تحریر فرمائے ہیں جو حضرت سیّد صاحبؒ کے علوِ مرتبہ اور

باطنی کمالات پر شاہد عادل ہیں۔

رتبۂ بلند

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ منشی نعیم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اِس اُمّت میں چالیس ابدال ہر وقت رہتے ہیں جن کے صدقے میں اہلِ زمین پر بارش برستی ہے اور انہیں رِزق ملتا ہے اور انہی کے صدقے میں نُصرت حاصل ہوتی ہے۔ چہ عجب کہ سیّد احمد کو بھی ایسا ہی رُتبہ مل گیا ہو اس لیے اُن کے مقام کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔''

ایک عرصہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لے گئے۔ دو برس کے قریب وہاں رہنا ہوا۔ اِسی مدّت میں آپ نے نکاح کیا۔ رائے بریلی سے ۱۲۲۶ھ میں دوبارہ آپ دہلی تشریف لے گئے نواب علی خاں کے لشکر میں ۱۲۲۷ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی اجازت سے نواب امیر خاں والیٔ ریاست ٹونک کے لشکر میں چلے گئے۔ ''منظورۃ السُّعداء'' میں ہے:

بنا پر الہامیکہ درباب اقامتِ جہاد شُد	اقامت جہاد کے بارے میں آپ کو جو
رہگرائے لشکرِ ظفر اثر۔۔۔۔امیر الدولہ نواب	الہام ربّانی ہوا اس کی بنا پر آپ نواب امیر
امیر خان بہادر مرحوم شُدند	خاں کے لشکر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت سیّد صاحبؒ نواب امیر خاں مرحوم کے لشکر میں چھ سال سے زائد رہے۔ سید صاحبؒ کے تذکرے اور تاریخیں اس زمانۂ قیام کی کرامات اور واقعاتِ غریبہ سے پُر ہیں۔ آپ نواب صاحب کو صحیح مشورے اور قیمتی امداد دیتے رہے۔

لشکر سے علیٰحدگی

۱۲۳۲ھ میں یہ صُحبت اس وقت ختم ہوئی جب بدقسمتی سے نواب امیر خاں کی انگریزوں سے صُلح ہوگئی۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ:

''خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم

برہم ہوگیا۔ نواب صاحب انگریزوں سے مِل گئے۔ اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔"

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خواب

حضرت سیّد صاحبؒ کے دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ قبل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد دہلی میں تشریف لائے ہیں اور لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے دُور دُور سے آرہے ہیں۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحبؒ کو شرفِ باریابی عطا فرمایا اور عصاء مبارک دے کر فرمایا کہ اس عصاء کو لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آنا چاہے اندر آکر اُس کا حال عرض کرو اور میری اجازت سے اندر بھیجو۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی تعمیل کی اور ہزارہا بندگانِ خدا نے حضورؐ کی زیارت کی۔ صبح اُٹھ کر شاہ صاحبؒ سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ خلیفۂ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور خواب کی تعبیر چاہی۔ شاہ غلام علی صاحبؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! یوسفِ وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ کی زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔ شاہ غلام علی صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یا آپ کے کسی مُریدِ رشید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی یہی تعبیر آئی تھی۔

رُجوعِ عام

ایک ہفتہ کے بعد حضرت سیّد صاحبؒ دہلی تشریف لائے اور حسب معمول اکبرآبادی مسجد میں قیام فرمایا اور لوگوں کا رجُوع ہوا۔ انہیں دنوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا عبدالحی اور حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد اسمٰعیل (نبیرۂ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) آپ کے حلقۂ بیعت وارادت میں داخل ہوئے۔

مُرشدِ وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زندگی میں ان اماموں کا کسی کی بیعت میں داخل ہونا معمولی واقعہ نہ تھا، اس کا بڑا چرچا ہوا، جوق در جوق علماء وفضلاء وصالحین بیعت

ہونے لگے۔شاہ صاحبؒ کے خاندان کے اکثر افراد شاہ صاحب کی اجازت سے اور مولانا محمد یوسف صاحب نبیرۂ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ مع خاندان، مولوی وجیہ الدین صاحبؒ، حکیم مغیث الدین صاحبؒ، حافظ معین الدین صاحبؒ وغیرہ مع خاندان واقربا مُرید ہوئے اور ایسی مقبولیت وشہرت ہوئی کہ ''یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً'' کا سماں بندھ گیا۔

تبلیغی اسفار

دن بدن آپ کی مقبولیت وشہرت بڑھتی گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دفعۃً اپنے بندوں کے قلوب عموماً اور علماء وصلحاء کے لیے خصوصاً آپ کی طرف پھیر دیئے ہیں۔ باہر سے کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے اور آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی اجازت سے پھلت، سہارنپور، مظفر نگر، دیوبند، لہاری، نانوتہ، کاندھلہ، گڈھ مکتیسر، رامپور، بریلی، شاہجہانپور اور دوسرے قصبات ومقامات پر تشریف لے گئے اور وہاں سینکڑوں خاندانوں اور ہزاروں آدمیوں نے بیعت اور شرک وبدعت اور قدیمی خلافِ شرع رسُوم سے توبہ کی۔ آپ کا یہ سفر بارانِ رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا سرسبزی وشادابی، بہار اور برکت چھوڑ جاتا ہے۔ سب سے زیادہ سیّد صاحبؒ کا اثر دہلی اور سہارنپور کے نواح میں ہوا اور حقیقت میں آپ کے یہی مرکز رہے، اس تمام سفر میں مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ ہمرکاب تھے۔ ان کے مواعظ سے بہت اصلاح وانقلاب ہوا۔ اس ایک سفر نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیۂ باطن اور بڑے بڑے علماء ومصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے۔ ہر ہر جگہ سینکڑوں آدمی متقی، متورع، عابد، متبع سنّت اور ربانی بن گئے۔ ہزاروں فاسق صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے۔ بیسیوں آدمی قتل کے اِرادہ سے آئے اور جانثار بن گئے اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے۔ جس نے ایک مرتبہ زیارت کر لی وہ آپ کے رنگ میں رنگ گیا اور مرتے مرتے مر گیا مگر شریعت سے ایک قدم نہ ہٹا۔ عورتوں اور بچوں کی بھی یہی حالت تھی، جوق درجوق لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی آنکھیں روشن کرتے، ایمان تازہ کرتے، دعوت دیتے اور اپنے گھر، مال و

اولاد میں برکت حاصل کرتے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے دعوت کی ہے، اور دس پانچ آدمیوں کے اندازہ سے کھانا پکوایا، لیکن وقت پر سوڈیڑھ سو آدمی سیّد صاحبؒ کے خادم اور معتقد آ گئے۔ صاحبِ خانہ نہایت پریشان ہوئے۔ سیّد صاحبؒ نے اپنی چادر دے دی وہ کھانے پر ڈال دی گئی اور کھانا نِکالا گیا اور سب کے لئے کافی ہوا بلکہ بچ گیا۔

حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ کی بیعت

اِسی سفر کے دوران سہارنپور میں شیخ المشائخ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی (شیخ الشیخ قطبِ عالم حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ) نے ایک رُوحانی اشارہ کی بنا پر آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

قیام رائے بریلی

تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا، یہ زمانہ بڑے روحانی و علمی فیوض و برکات کا زمانہ تھا۔ حضرت سیّد صاحبؒ کا وجود علماء و مشائخ ہندوستان کا اجتماع، یکسوئی، یہ سب نعمتیں جمع تھیں، ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا، جس کی زمین پر چاند کے ساتھ سارے روشن ستارے اُتر آئے تھے۔ ہندوستان کے نامور علماء و مشائخ حجۃ الاسلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ، شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحب، قطب وقت مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی (نبیرہ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ) شیخ المشائخ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی (شیخ الشیخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ (خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ) ایک وقت میں جمع ہوئے۔ کتاب ''صراطِ مستقیم'' بھی اسی عرصے میں ۱۲۳۳ھ میں تالیف ہوئی۔

سیّد صاحبؒ لکھنؤ میں

اِسی زمانے میں حضرت سیّد صاحبؒ لکھنؤ شہر میں بھی رونق افروز ہوئے۔ آپ کے تشریف لاتے ہی لوگوں کا رُجوع اور ہجوم ہوا۔ فرنگی محل کے بھی بعض علماء و اکابر آپ کی بیعت میں داخل ہوئے، دن رات لوگ بیعت و توبہ کرتے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا محمد

اسمٰعیل صاحب وعظ فرماتے۔ علم وعرفان کی بارش ہوتی اور کتاب وسنّت کے معارف وحقائق و نکات کی گہر ریزی سے محویت وسکتہ کا عالم ہوتا، علماء انگشت بدنداں ہوتے اور مخالفین سرگریباں، لوگ اُٹھ اُٹھ کر توبہ کرتے اور نئی زندگی میں قدم رکھتے۔

مولانا محمد اشرف صاحبؒ[1] جو اُس وقت لکھنؤ میں علومِ معقول ومنقول میں یگانہ سمجھے جاتے تھے، اپنے یہاں کے سب سے زیادہ زکی اور فاضل طالب علم مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو حضرت سیّد صاحبؒ کی تحقیق حال کے لئے بھیجا اور پیغام بھیجا کہ میں تخلیہ میں ملنا چاہتا ہوں۔ آپ کا مقصد تھا کہ تنہائی میں سیّد صاحبؒ کے علم کو ٹٹولیں۔ سیّد صاحبؒ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ ملاقات کے وقت آپ نے سیّد صاحبؒ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔ ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ''، میں آپ کی زبان سے اِس کی تفسیر سُننا چاہتا ہوں۔ سیّد صاحبؒ نے دو گھنٹہ اس کا بیان فرمایا۔ اس وقت مولانا محمد اشرف صاحبؒ اور مولوی ولایت علی صاحبؒ کی (جو اس وقت حاضر تھے) روتے روتے آنسوؤں سے داڑھی تر ہوگئی اور فوراً بیعت کر لی۔ مولانا محمد اشرف فرماتے تھے کہ اسی روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور مجھے اس کے علاوہ بے انتہا فیوض وبرکات حاصل ہوئے۔ مولانا ولایت صاحبؒ تو سب چھوڑ چھاڑ سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہو گئے اور اپنے کو شیخ کی خدمت میں فنا کر دیا۔

حضرت سیّد صاحبؒ کا قیام لکھنؤ میں ایک مہینہ رہا۔ لکھنؤ سے آپ رائے بریلی تشریف لے گئے اور کچھ دن قیام فرما کر جہاں جہاں سے دعوت نامے آئے تھے، تشریف لے گئے۔ اس سلسلے میں الٰہ آباد، بنارس، کانپور اور بیسیوں قصبات میں ایک سو ستّر آدمیوں کے قافلے کے ساتھ تشریف لے گئے۔ لوگ جوق در جوق بیعت میں داخل ہوئے۔

بنارس میں انوارِ ذکر

بنارس کے قیام میں آپ نے اپنے رُفقاء سے فرمایا کہ یہ شہر کفر وشرک کی تاریکی سے

---

(۱) مولانا محمد اشرف بن قاضی نعمت اللہ خوشنویس (ساکن موضع بنھ من مضافات سیالکوٹ) قاضی نعمت اللہ صاحب نواب آصف الدولہ (۱۱۸۸ تا ۱۲۱۲ھ) کے عہد میں لکھنؤ چلے گئے تھے۔ جہاں انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔'' (تذکرہ علماء ہنداز: رحمان علیؒ و ''گذشتہ لکھنؤ'' از شرر)۔

بھرا ہوا ہے، اس کو اپنے ذکر کے انوار سے منور کر دو اور ذکر جہر و ذکر خفی میں کوتاہی نہ کرو۔ ایک ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ہندو پروہتوں اور جوگیوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب اس شہر سے جلد تشریف لے جائیں، ہمارے گیان دھیان میں بڑا فرق آ گیا ہے۔ حضرت نے بڑی نرمی کے ساتھ ان کو وعظ و تذکیر کی اور اسلام کی دعوت دی۔

جہاد کے لئے بے چینی

بنارس سے آپ سلطان پور اور رسولی وغیرہ تشریف لے گئے۔ دو ہفتے قیام کر کے آپ تکیہ رائے بریلی تشریف لائے۔ تکیہ کا قیام عجیب ذوق وشوق، لذّت وحلاوت اور جفاکشی کا تھا۔ یوں تو عبادت وسلوک کے ساتھ جہاد کی تیاری آپ ہمیشہ کرتے رہتے تھے لیکن اس قیام میں اس طرف سب سے زیادہ توجہ تھی۔ پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومی اور جہاد کی ضرورت کا احساس بڑھتا ہی جاتا تھا اور یہ کانٹا تھا جو آپ کو برابر بے چین رکھتا تھا۔ اب آپ کو دن رات اسی کا خیال رہتا تھا، زیادہ تر یہی مشاغل بھی رہتے، آپ اکثر اسلحہ لگاتے۔

رفقاء کی آپس میں گفتگو

جب فنون حرب کی مشق وتعلیم میں زیادہ انہماک ہوا اور زیادہ تر وقت اسی میں صرف ہونے لگا، یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی تو رُفقاء نے آپس میں گفتگو کرنی شروع کی اور مشورہ کیا کہ مولانا محمد یوسف صاحب پھلتیؒ اس بارے میں حضرت سیّد صاحبؒ سے گفتگو کریں اور جماعت کے ان خیالات کی اطلاع دیں، مولانا نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا۔

حضرت سیّد صاحبؒ کا جواب

حضرت نے آپ کو جواب دیا:

> ''ان دنوں دوسرا کام اس سے زیادہ افضل ہم کو درپیش ہے، اسی میں ہمارا دل مشغول ہے، یہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیاری ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیلِ علم سلوک اس کام کے تابع ہے۔ اگر کوئی دن میں روزہ رکھے اور تمام رات عبادت

وریاضت میں گزارے اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اُڑائے تاکہ کفار کے مقابلہ میں بندوق لگاتے آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رُتبہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا اور وہ کام (سلوک وتصوف) اس وقت کا ہے جب اس کام (تیاریٔ جہاد) سے فارغ البال ہو اور اب جو پندرہ سولہ روز سے دوسرے انوار کی ترقی نماز یا مراقبہ میں معلوم ہوتی ہے وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے۔ کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیراندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پیلتا ہے۔ اگر ہم اس کام کی اس وقت تعلیم کریں تو ہمارے یہ بھائی اس کام سے جاتے رہیں، یوسف جی! تم خود اپنا حال دیکھو کہ گردن ڈالے ہوئے ایک عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونہ میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرہ میں بیٹھا ہے، کوئی جنگل جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کنارے گڑھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے، تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں، یہی بہتر ہے اور حاجی عبدالرحیم صاحب (شیخ المشیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) سے بھی مشورہ کر کے جواب دو۔''

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کا بیان

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ نے جب یہ سنا تو پہلے اپنا حال بیان کیا کہ:

''جب مجھ کو حضرتؒ سے بیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا، چلّہ کشی کرتا تھا۔ جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، صدہا میرے مُرید تھے اور پھر درویشی کا طالب میرے پاس آتا تو اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا۔ جو کوئی مطلب کے لئے دو چار کوس یا ایک دو منزل لے جانے کی درخواست کرتا للہ فی اللہ چلا

جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اُن سے بڑھ کر تھیں اور میں اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بھی بعضے بعضے صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سیّد صاحبؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری موت بُری ہوتی۔ پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو ان سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرو، یا اس عقیدہ سے میرے ہی ہاتھ پر بیعت کرو اور جو نہ کرے گا وہ جانے، میں نے آگاہ کر دیا ہے۔ اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں، پھر سب نے دوبارہ بیعت کی، سو میں نے تمام اس عیش و آرام، اور ناموس و نام کو ترک کر کے سیّد صاحبؒ کے یہاں کی محنت و مشقت اور تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اُٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر ان اوّل معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی۔ سو میری صلاح اس بارہ میں یہی ہے کہ تم اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑ دو، وہی جو کچھ بہتر جان کر تم کو فرماویں اسی کو مانو اور اپنی بہتری اسی میں سمجھو اور اپنی رائے ناقص کو اس میں دخل نہ دو۔"

حضرت حاجی صاحب چونکہ فنِ سلوک اور قوت نسبت میں مسلّم تھے اور مشہور شیخ اور

عارف تھے۔اس لئے ان کی تقریر سُن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور مقدماتِ جہاد میں دل و جان سے مشغول ہو گئے۔ دن رات یہی مشغلہ تھا، بھر ماری، تیراندازی کرتے، چورنگ لگاتے اور فنونِ سپہ گری کی پوری مشق کرتے تھے۔

سفرِ حج

محبت وشوق وجذبِ الٰہی کا جس کی تربیت شب وروز ہوتی تھی۔اب شدید تقاضا ہوا کہ حج کو چلئے، حضرت سیّد صاحبؒ نے حج کی تیاری کی۔شوال کی آخری تاریخ ۱۲۳۶ھ کو چار سوآدمیوں کے ساتھ آپ تکیہ سے روانہ ہوئے۔قافلہ مختلف شہروں میں ٹھہرتا ہوا منزل مقصود کی جانب رواں دواں تھا۔خلقِ خُدا جوق در جوق حلقہ بگوش ہوتی رہی۔ اس سفر میں لاکھوں آدمیوں کو آپ کے دستِ حق پرست پر ہدایت نصیب ہوئی۔ حج کے ہمراہیوں کی تعداد ۷۵۷ تھی۔اس سفر میں جو برکات، واقعات عجیبہ اور لذائذ روحانی حاصل ہوئے، اُن کا مزہ وہی جان سکتے ہیں جو اس سفر میں ساتھ تھے۔

حرم محترم میں

۲۹ رشعبان المعظم ۱۲۳۷ھ کو گیارہ مہینے سفر کرنے کے بعد قافلہ شوق حرمِ محترم میں داخل ہوا۔ بیت اللہ کو دیکھ کر ہر شخص پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، معلّم ومطوف وغیرہ جو وہاں حاضر تھے، وہ بھی رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری عمر میں ایسا بابرکت قافلہ کسی مُلک سے نہیں آیا۔طواف وسعی کے بعد سب نے حلق وقصر کرایا اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

ارضِ مقدس میں مقبولیت

اِس ارضِ مقدس میں بھی (جس کا یہ سارا فیض ہے) آپ کا فیض بند نہیں ہوا، اور حجاز کے بعض نامور اہلِ علم وکمال اور فضل وصلاح بیعت میں داخل ہوئے۔شیخ محمد عُمر مفتیٔ مکّہ مکرّمہ جو شیخ العلماء عبداللہ سراج کے اُستاد تھے اور سیّد عقیل وسیّد حمزہ وشیخ مصطفیٰ امام مصلّی حنفی اور شیخ شمس الدین مصری واعظِ بیت اللہ، شیخ محمد علی ہندی مدرّس مکّہ معظّمہ، اور عُمر بن

عبدالرسول محدّث اور شیخ بخارا می مدرّس مدینہ منورہ اور خواجہ الماس نے (جو مسجد نبویؐ میں اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے) بیعت کی۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ کے ایماء اور اہلِ حجاز کی ضرورت وخواہش سے ''صراطِ مستقیم'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ فیض عام صرف حجاز سے خاص نہ تھا بلکہ چونکہ حجاز عالمِ اسلام کا مرکز ہے جہاں تمام ممالکِ اسلامیہ کے وفود آتے ہیں اس لئے باہر کے لوگوں کو بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

بلغار کے قافلہ کے ایک بڑے عالم بیعت میں داخل ہوئے اور آپ نے اُن کو اپنا خلیفہ کر کے اپنے ملک کی ہدایت کے لئے مقرر کیا اور ''صراطِ مستقیم'' کی ایک نقل دی۔

جاوہ کے تین آدمیوں نے آکر عرض کیا کہ ہم حضور کے خلفاء سے بیعت ہیں۔ اب بلاواسطہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اُن سے بیعت لی۔

مغربی قافلہ کے لوگوں نے بھی بیعت کی، ان میں مغرب کے ایک وزیر شیخ احمد بن ادریس تھے جن کو صحیح بخاری مع قسطلانی حفظ تھی۔

بارگاہِ نبویؐ میں

مکّہ مکرّمہ سے آپ نے مدینہ منوّرہ کا قصد فرمایا۔ مدینہ منورہ پہنچنے سے دو رات پہلے آپ کی طبیعت سخت ناساز تھی۔ بخار اور دردِ سر کی شدّت تھی۔ رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے ہیں اور ہر ایک نے آپ کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ تشفّی اور تسلّی اور مختلف بشارتیں دیں۔

بہتر از صحت است آں مرضم — کہ تو بہرِ عیادتم آئی
دارم امید بستہ آن بہتر — کہ تو از دستِ خویش بکشائی
اے خوش آں گمرہی راہ روے — کہ تو آئی و راہ بنمائی
طرفہ آن تشنگی کہ سیرابم — تو زلُطف و کرم بفرمائی

اے علیؔ شہرِ دوست نزدیک است
چوں نگردی در و تماشائی

مدینہ منوّرہ میں سیّد سمہودی مصنّف ''وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ'' کے مکان میں قیام فرمایا۔ پچیس روز تک مدینہ منوّرہ اور نواح کے مقامات و مشاہد کی زیارت کرتے رہے۔

زیاراتِ مقدّسہ

مدینۂ طیبہ کے قیام میں آپ نے مسجدِ قُبا، مسجد قبلتین وغیرہ اور جنّت البقیع کی بار بار زیارت کی۔ ایک بار روضۂ منوّرہ کی جالیوں کے اندر شب گزاری کا موقع بھی بخوبی ملا۔ مراقبے میں بارہا احوال و کیفیات اور بار بار زیارتِ نبویؐ سے فائز ہوئے۔

ایک روز بقیع جا کر ازواجِ مُطہّرات ؓ، حضرت حسنؓ اور دوسرے حضرات اہلِ بیتؓ کی زیارت کی۔ دوسرے روز خاص طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے گئے۔

ایک روز آپ جَبلِ اُحد گئے اور سیّدنا حمزہؓ اور دوسرے شہداء رضی اللہ عنہم کی زیارت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک جہاں شہید ہوئے تھے اس جگہ کی بھی زیارت کی، بعض بعض مقامات پر دُعاء کی۔

آپ کا مدینہ منوّرہ میں مزید قیام کا ارادہ تھا اور ابھی قافلے کو بھی سیری نہیں ہوئی تھی لیکن سردی بڑی شدّت سے ہونے لگی تھی اور اہلِ قافلہ کے پاس جڑاول نہ تھی۔ سردی سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔

۲۶ ربیع الاوّل کو آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مہربانی سے مُسکرا کر فرماتے ہیں:

> ''احمد! اب تم کو جلد مکّہ چلا جانا چاہئے، اس لئے کہ سردی سے تمہارے قافلے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔''

آپ نے اپنے ہمراہیوں کو یہ خواب سُنایا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔

واپسی

۲۹ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو آپ مسجد نبویؐ اور روضۂ منورہ سے رخصت ہو کر مکّہ معظّمہ آئے۔ وہاں رمضان اور عید کی اور یکم ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ کو مکّہ مکرّمہ کو الوداع کہا اور ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ مہینے کے بعد وطن پہنچے۔

اقامتِ جہاد

۱۲۴۱ھ کے آغاز میں آپ نے اقامتِ جہاد کے لئے کمرِ ہمّت باندھ لی اور اپنے وطن سے ہجرت کی۔ راجپوتانہ، رواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور صوبۂ سرحد کے ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں جنگلوں اور دریاؤں میں سفر کیا۔ ہر ہر جگہ اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے گئے۔ جہاد فی سبیل اللہ جس کے لئے حضرت سیّد صاحبؒ عنداللہ مامور تھے، کی مفصّل سرگزشت حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ''سیرت سیّد احمد شہیدؒ'' اور غلام رسول مہر مرحوم کی کتاب ''سیّد احمد شہیدؒ'' میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

شہادت

حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور اُن کی جماعتِ مجاہدین نے بالاکوٹ کے مقام پر ۲۴ر ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ کو رنجیت سنگھ کی فوج سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش فرمایا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خُدا رحمت کند اس عاشق پاک طینت را

شہادت کے روز حضرت سیّد صاحبؒ اور مجاہدین کے چہرے دمک رہے تھے اور ایک عجیب کیفیت اُن پر طاری تھی، راوی کہتا ہے:

''حضرت سیّد صاحبؒ اُس وقت ملکی صفات میں تھے، آپ کا چہرہ ایسا دمک رہا تھا کہ کسی کی نظر اُس پر نہیں ٹھہرتی تھی۔''

حضرت سیّد صاحبؒ کا فیض عام

حضرت سیّد صاحبؒ نے اسلام کے عقائدِ صحیحہ کی تبلیغ اور توحید و سنت کی عالمگیر اشاعت فرمائی۔ برِصغیر کا کوئی گوشہ نہیں چھوٹا جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ دہلی اور کلکتہ کے درمیان سینکڑوں مقامات پر آپ نے خود دَورہ فرمایا۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے مواعظ ہوئے اور اللہ کی حُجّت تمام ہوگئی۔ سندھ اور سرحد میں خود قیام

فرمایا۔ حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا سید محمد علی صاحب رامپوریؒ و مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کو بھیجا، جنہوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاحِ عقائد و اعمال و رسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا۔ ہزاروں بندگانِ خُدا اور سینکڑوں اُمراء و رؤساء و اہلِ علم و فضل مستفید ہوئے اور توحید و سنّت کا عام چرچا ہو گیا۔ پورب میں آپ کے خلفاء مولانا کرامت علی صاحب و مولانا سخاوت علی جونپوریؒ نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیئے اور بڑی کامیابی حاصل کی۔ آج بھی آپ کے اثرات ان اطراف میں موجود ہیں۔ صرف مولانا کرامت علی صاحبؒ کی کوششوں سے بنگال میں لاکھوں آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحبؒ نے روشنی پھیلائی، افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولانا حبیب اللہ صاحب قندھاریؒ سے اصلاح ہوئی۔

مُلک تبت میں بھی آپ نے تبتیوں کا ایک وفد تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجا اور مسلمانوں کی اصلاح ان کے سپرد کی۔ اوّل ان کی سخت مخالفت ہوئی پھر ان کو بہت کامیابی و ترقی ہوئی، ہزاروں آدمی ان کے حلقہ بگوش ہو گئے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لئے چین بھیجے۔ جاوہ، بلغار اور مراکش وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء پہنچے اور مشرقِ اقصیٰ سے مغرب اقصیٰ تک آپ کی مملکتِ تجدید کے حدود پہنچ گئے۔

مولانا عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:

> ''حضرت سیّد صاحب قدس سرہٗ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مُسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے۔ اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔''

حضرت سیّد صاحبؒ کے طریقے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ مقبول تھا اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی۔ ان دیارِ مشرقیہ میں اس میں منحصر تھی۔ چنانچہ حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالک اور سلسلۂ چشتیہ میں بہت مجاز تھے اور آپ کے سینکڑوں ہزارو

مرید تھے۔فرماتے تھے:

''مجھے کسی سے سلوک میں رجوع کی ضرورت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سیّد صاحب سے بیعت ہو جاؤں۔''

دوسری خصوصیت مشائخ وعلماء میں مقبولیت ہے، چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے جس کے اکابر نے سیّد صاحبؒ کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ (پیر ومُرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ) آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے۔ حاجی عبدالرحیم صاحبؒ بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے، یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ اس سلسلے کے دوسرے حضرات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدّث گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور اُن کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے، شاہ ابوسعید صاحبؒ جو خاندانِ نقشبندیہ مجدّدیہ کے سلسلہ الذّہب کا ضروری حلقہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ تھے، عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا، سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ صبغت اللہ بن سیّد محمد راشدؒ نے جن کا سلسلہ سندھ میں بہت مشہور ومعمور ہے۔ آپ سے استفادہ کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہلِ علم وفضل نے آپ سے بیعت کی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ، مولانا عبدالحی صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھلتی کے علاوہ شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ ومولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے استفادہ وباطنی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ تمام مشائخ وعلماء آپ کی عظمت ومقبولیت، آپ کے طریقے کی رفعت وفضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدۃ ومتّفق اللّسان ہیں۔ آپ کی محبت اہلِ سُنّت وصحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے اور آپ کے متعلّق وہی کہنا بالکل صحیح ہوگا جو بعض اہلِ علم نے آپ کے ہم نام امام احمدؒ کے متعلّق کہا ہے:

اِذَا رَأَیْتَ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ صَاحِبُ سُنَّةٍ۔	جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبلؒ سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سُنّت کا مُتّبع ہے۔

ایک دُوسرے عالم کا قول ہے:

مَنْ سَمِعْتُمُوْهُ یَذْکُرُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ بِسُوْءٍ فَاتَّهِمُوْهُ عَلَی الْاِسْلَامِ۔	جس کو تم احمد بن حنبلؒ کا ذکر بُرائی سے کرتے سنو، اُس کے اسلام کو مشکوک جانو۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
کی تحریک کا ادبی پہلو

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یہ مضمون رابطہ ادب اسلامی کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد سیمینار بعنوان ''حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اردو زبان وادب پر اثرات'' کی مناسبت سے لکھا گیا۔۔مرتب

اسلام ایک مکمل اور اجتماعی دین اور ایک مستقل معاشرہ ہے اس لئے وہ یہ گوارہ نہیں کرتا کہ اس کے معاشرہ کی سیاسی، معاشی، اخلاقی اور دینی ترکیب اور معتقدات میں کیسا ہی بگاڑ پیدا ہوجائے لیکن کوئی گروہ سامنے آکر اس کی ہیئت ترکیبی درست کرنے کی کوشش نہ کرے۔اس کی حالت زار کو بنانے، سنوارنے کی فکر نہ کرے۔اس کی پراگندہ حالت کی تنظیم وتزئین کے سلسلہ میں تگ ودو نہ کرے اور قوم کو ان خطرات سے آگاہ نہ کرے جو اس کے وجود کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں اور دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں، سوسائٹی میں ایسے پاکباز اور باشعور انسانوں کا وجود ضروری ہے، اس لئے قرآن پاک کہتا ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اللہ کی طرف دعوت دے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

تیرہوں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اہم کشمکش کی حامل تھی، سیاسی طور پر وہ کمزور وناتواں، تنزل وانحطاط کا شکار تھے بلکہ اس کی تکمیل اسی صدی میں ہوئی، سیاسی انحطاط کے نتیجہ میں بہت سی معاشرتی اور مذہبی خامیاں جن پر غلبہ واقتدار کے زمانہ میں پردہ پڑا ہوا تھا، بے نقاب ہوکر سامنے آگئیں، آفتاب ہدایت پر گمراہی چھائی جارہی تھی اور حق

کا نور باطل کے حجابوں میں سمٹتا جارہا تھا، اس صورتحال کو ''موج کوثر'' کے مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اگرچہ شاہ ولی اللہ اور دوسرے بزرگوں کی کوششوں سے ذی علم طبقے اسلام کے متعلق زیادہ صحیح معلومات حاصل کررہے تھے لیکن عوام کی مذہبی حالت نہایت گری ہوئی تھی، انہوں نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام کو اختیار کرلیا تھا لیکن ان کی دینی اور روحانی حالت میں کوئی خاص فرق واقع نہ ہوا تھا، انہوں نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام کو اختیار کیا تھا لیکن اس سے ان کی روحانی حالت میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی، اگر پہلے وہ مندروں میں مورتیوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے تو اب مسلمان پیروں اور قبروں کے سامنے سجدے کرتے تھے، پجاریوں اور برہمنوں کی جگہ مسلمان پیروں نے لے لی تھی جن کے نزدیک انسان کی روحانی تربیت کے لئے احکام اسلام کی پابندی اور سنت نبویؐ کی پیروی ضروری نہ تھی''۔

معاشرہ کی زبوں حالی

معاشرتی رسموں کے اعتبار سے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی بڑا فرق نہ تھا، اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو لیکن اب بھوت پریت کے ڈر اور دوسرے وہموں سے زندگی کا سکون تلف ہورہا تھا، ہندوؤں میں نکاح ثانی پاپ سمجھا جاتا تھا، مسلمانوں میں بھی نکاح ثانی برا سمجھا جانے لگا، بیاہ شادی اور تجہیز وتکفین کے متعلق اسلامی احکام نہایت سادہ، معقول اور دینی ودنیاوی بھلائی پر مبنی تھے، لیکن مقامی اثرات سے ان کی جگہ ایسی خلاف شرع رسموں نے لے لی تھی جن میں فضول خرچی، تضیع اوقات اور دوسری بیسیوں قباحتیں تھیں۔

شراب نوشی عام تھی، نشہ آور چیزوں (افیون، بھنگ، تاڑی وغیرہ) کا استعمال گھر گھر تھا، جس سے اخلاق کے ساتھ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب ہورہی تھی ارباب نشاط کا ہر

طرف دور دورہ تھا، دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت اور مجلسی اور خانگی زندگی کا جو نقشہ اس دور کی تحریروں میں نظر آتا ہے، اس سے تہذیب کی آنکھیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہے۔

اصلاح وتجدید کا کام

اس سب کے باوجود تجدید واصلاح کا کام بھی جاری تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے امت کی اصلاح وتجدید کا جو کام شروع کیا تھا اور جہاد و اجتہاد کا جو کام مہیا کیا تھا، ملک میں قرآن فہمی، درس حدیث اور دعوت الی اللہ کے جو چشمے جاری کئے تھے، اس کے سوتے خشک نہیں ہوئے، ماحول کی برہمی اور حالات کی ناسازگاری کے باوجود تجدید واصلاح کی تحریک پروان چڑھ رہی تھی جس کے نتیجہ میں غیر اسلامی عناصر آنکھوں میں کھٹکنے لگے اور ایک ایسی جماعت جوان کی اصلاحی تجاویز کو پایۂ تکمیل تک پہونچا سکتی تھی، سامنے آئی جس کی قیادت حضرت امام الہند کے جانشین شاہ عبدالعزیزؒ نے کی اور تادم حیات اس کام کو جاری رکھا لیکن اس تحریک کا سب سے مؤثر اظہار حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کی زیر قیادت ہوا۔

دہلی کا سفر

حضرت سید احمد شہیدؒ ۶ رصفر ۱۲۰۱ھ یعنی ۲۹ رنومبر ۱۹۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے، ایام طفلی میں تحصیل علم سے آپ کو کچھ زیادہ رغبت نہ تھی، مکتب میں تین چار سال گزارنے کے بعد بھی قرآن مجید کی چند سورتوں کے علاوہ آپ کو کچھ یاد نہ ہوا، بچپن ہی سے مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا، ضعیفوں اور اپاہجوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے کا جذبہ سن بلوغ تک پہونچتے پہونچتے ایسا ہو گیا تھا کہ نظیر نہیں ملتی، اس کے ساتھ عبادت، ذکر الٰہی کا ذوق، ورزش اور مردانہ کھیلوں کا شوق تھا، جب آپ سترہ اٹھارہ سال کے ہوئے تو تلاش معاش میں چند رفقاء کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے، لکھنؤ میں قیام کے دوران خود بخود تحصیل علم کا ایسا شوق پیدا ہوا جو کشاں کشاں لکھنؤ سے دہلی لے گیا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضری دی اور شاہ صاحب کے دریافت کرنے پر جب آپ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ سید ابوسعید صاحب میرے نانا اور سید نعمان صاحب میرے حقیقی چچا ہیں تو شاہ

صاحب نے بے حد خوشی کا اظہار کیا، عزت افزائی کی، غرض سے دوبارہ مصافحہ اور معانقہ کیا اور فرمایا کہ اللہ کا فضل شامل حال ہے تو اپنے دادیہال اور نانہال کی میراث تم کو مل جائے گی، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی صحبت فیض وخدمت میں رہ کر آپ نے اس قدر باطنی ترقی کی اور وہ بلند مقامات حاصل کئے جو بڑے بڑے مشائخ کو بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتے ہیں، ان مبارک ہستیوں سے کوئی چار سال اخذ فیض کر کے، اجازت وخلافت لے کر اپنے وطن رائے بریلی واپس ہوئے، تقریباً دو سال قیام کے بعد نواب میر خاں والی ٹونک کے لشکر میں بھرتی ہو گئے، تقریباً چھ سال فن سپاہ گری کی تکمیل میں بسر کئے اور اچھا رسوخ پیدا کیا، اس اثناء میں آپ اپنی عبادت وریاضیات اور سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح وارشاد میں بھی مشغول رہے، آپ کی توجہ، محنت اور کوشش سے پورا لشکر دعوت وتبلیغ کا وسیع میدان بن گیا۔

دوبارہ دہلی میں ورود

جب آپ دوبارہ ۱۸۱۶ء میں دہلی تشریف لائے تو آپ کی طرف غیر معمولی رجوع ہوا اور خاندان ولی اللہی کے چشم وچراغ شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی، اور اسی خانوادہ کے ایک اور ممتاز فرد جناب مولانا عبدالحیؒ نے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد تھے، آپ سے بیعت کی، ان دو حضرات کی بیعت کے بعد لوگوں میں طلب وشوق کی بے تابی بڑھتی چلی گئی، دہلی اور اس کے نواح کے عوام وخواص، علماء ومشائخ کا ایسا رجوع ہوا کہ جس کی مثال مشکل ہے۔

حضرت سید صاحب کا سلسلۂ ارشاد وہدایت برابر جاری رہا، آپ کی گفتگو میں بڑی تاثیر تھی، کلام میں سیدھی سادھی مثالیں ہوتی تھیں، جنہیں سامعین آسانی سے سمجھ لیتے تھے، طبیعت میں خلوص تھا، ایثار وخیر خواہی، خلق کی رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی، نتیجہ یہ تھا کہ جو لفظ زبان سے نکلتا سامعین کے دلوں میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتا، آپ نے اپنی دعوت وارشاد میں طریقت وشریعت کے باہمی تطابق پر زور دیا، طریق سلوک کے شرعی اسلوب کو بیان کرتے، بیعت کا طریقہ بھی اپنے پیش رووں سے مختلف تھا، آپ کا دستور تھا کہ پہلے طریقہ

چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ بآواز بلند بیعت لے کر پھر طریقہ محمدیہ میں بیعت لیتے تھے اور اسے لوگ طریقہ محمدیہ کہتے، آپ نے خود اس کی وضاحت نائب والی رامپور کے بھائی سے اس طرح کی ہے: ''کہ تصوف کے چار طریقوں کا تعلق رسول کریم ﷺ سے بطور باطن کے ہے اور طریقۂ محمدیہ بطور ظاہر کے، اس لئے ظاہری اعمال طریقہ محمدیہ یعنی شریعت کے مطابق ہونے چاہئے''۔

سید صاحب کی جماعت کی خصوصیات

آپ کے فیض صحبت سے ایسی جماعت تیار ہوئی جس کا نمونہ ان آخری صدیوں میں ملنا مشکل ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس جماعت کی خصوصیات وجامعیت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

> ''سید صاحب نے جو مبارک جماعت تیار کی، اس کی خصوصیات میں سب سے نمایاں اور لائق ذکر بات اس کی جامعیت ہے، اس میں جہاد اصغر (تزکیہ نفس) اور جہاد اکبر (جہاد وقتال) بھی، خدا سے محبت بھی، خدا کا خوف بھی، خدا کے لیے محبت بھی، خدا کے لئے نفرت بھی، زہد وعبادت بھی اور دینی حمیت اور اسلامی غیرت بھی، تلوار بھی اور قرآن بھی، عقل بھی اور جذبات بھی، گوشہ مسجد میں تسبیح ومناجات بھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر تسبیح مسلسل بھی، یہ ایک صاحب یقین اور مجاہد نسل کی بہترین تصویر ہے اور اخلاص وللّٰہیت کا وہ صحیح معیار اور دلکش نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں مطلوب اور شریعت کا مقصود ہے۔'' (جب ایمان کی بہار آئی)۔

تحریک کے اثرات

حضرت سید صاحب کے خلفاء وجانشین اور مسترشدین ومنتسبین ارشاد وہدایت کی راہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور ہندوستان کے طول وعرض میں جو خلق ووفا، حمیت وغیرت اسلامی کی جو نسیم جانفزا اور ایمان ویقین کی باد بہاری چلی، اتحاد ویگانگت کی جو فضا قائم ہوئی تھی، توبہ انابت الی اللہ، خشوع، خضوع اور خشیت ربانی کے جھونکے جو دلوں کو گدگدا رہے

تھے اور اثر پذیری کے جو انمٹ نقوش قائم ہو رہے تھے اور جو روح ابھر رہی تھی حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریر کے آئینہ میں اس کے جمال وجلال کی تصویریں ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے ہیں:

''اس تحریک نے اپنے پیروؤں میں للّٰہیت وخلوص، اتحاد، نظم سیاست اور تنظیم کا جو جوہر پیدا کر دیا تھا اس کے سمجھنے کے لئے کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ کا چوتھا باب پڑھئے، بنگال کی سرحد سے لے کر پنجاب تک اور نیپال کی ترائی سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش وعمل کا دریا موجیں مار رہا تھا، اور حیرت انگیز وحدت کا سماں آنکھوں کو نظر آرہا تھا۔

سید صاحب کے خلفاء ہر صوبے اور ولایت میں پہنچ چکے تھے اور اپنے اپنے دائرے میں تجدید، اصلاح وتنظیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جارہے تھے، بدعتیں چھوڑی جارہی تھیں، نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن رہے تھے، جو مسلمان نہ تھے وہ اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے، شراب کی بوتلیں توڑی جارہی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم پھوڑے جارہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہو رہے تھے اور حق وصداقت کی بلندی کے لئے علماء حجروں اور امراء ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آرہے تھے اور ہر قسم کی ناچاری، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے اور مجاہد، دعوت وتبلیغ میں لگے تھے۔

مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور اصلاحی کوششوں نیز بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھا، اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی گئی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے ساحل تک یکساں پھیل گئی، لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے اور پھر سرحد پار سکھوں سے مقابلہ ہوا، انگریزوں سے محاذ آرائی ہوئی، رزم وبزم کے دھنی مقابلوں میں غالب ہوئے۔

مسلمانوں کی عزت وناموس کی حفاظت ہوئی، امت کی شیرازہ بندی ہوئی، امیر

المومنین کا انتخاب ہوا، قضاء کا تقرر ہوا، اسلام کی شمع جو عرصہ سے خموش تھی جل اٹھی، اور ویرانوں میں زندگی و بندگی کے آثار ہر طرف پھیلے ہوئے نظر آنے لگے، لاہور کی سلطنت لرز اٹھی، اور انگریزوں کی سازشیں ناکام نظر آئیں، لیکن ہمیشہ کی طرح باطل متحد ہو گیا، اور حق کی صفوں میں نفاق و انتشار کے جرائم در کرنے لگے، اور بالآخر انہیں دراندازوں کے نتیجہ میں بالاکوٹ کے معرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالم انسانیت کے لئے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لئے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے، ان کا وہ خون شہادت جو ساری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا اور اس کے جو ذرات باقی تھے، گردش روزگار کی بدلیوں نے اسے بھی ڈھل دیا لیکن اکوڑے اور ''شیدو'' کے میدان نورد اور مایار کی رزمگاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک پھیلی ہوئی خون شہادت کی لکیریں اور شہیدوں کی قبریں، ان کی جدوجہد، اور جہاد و اجتہاد کی وہ کھلی کتابیں ہیں جو دعوت عمل، اور خدا راہ میں سرفروشی کی آج بھی دعوت دے رہی ہیں''۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اس عظیم الشان تحریک نے جہاں تیر و سنان کے جوہر دکھائے، وہیں اس کے اشہب خامہ نے مزعومات فاسدہ، اور معتقدات باطلہ، بدعت و شرک اور اوہام پرستی کے استھانوں کو اپنی ٹاپوں سے روند دیا، اور نوک قلم سے توحید و للّٰہیت، اخلاص و توکل اور ایثار کی عمدہ تصویریں دلوں میں، ذہنوں میں، بلکہ رگ و پے میں اتار دیں، اس فریضہ کو انجام دینے والوں میں سب سے ممتاز حیثیت اور مقام سید اسمٰعیل شہید کو حاصل ہے۔

آپ زبردست مقرر اور باا ثر واعظ تھے، آپ جہاد میں شریک ہونے سے پہلے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ہر جمعہ کو وعظ کیا کرتے تھے، آپ کے وعظ و ارشاد نے مسلمانوں کو مذہبی اور دینی زندگی میں جو انقلاب پیدا کر دیا اس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان پڑھنے کے قابل ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریک کے سپوتوں نے اردو کے دامن کو زبان و بیان کے کیسے جواہر ریزے اور ادب پارے دیے، فرماتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان

شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ دہلوی) نے مزاج وقت کے عدم تحمل واستعداد سے مجبور ہوکر بحکم ؎

برمزنکتہ او می کنم کہ خلوتیاں
سرسبو بکشادند ودرقبر وبستند

دعوت واصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کردیئے گئے تھے، اب اس سلطان وقت اور سکندر اعظم کی بدولت شاہ جہاں باد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں کو بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب سربازار کہی جارہی تھی، سامعین بلکہ مخالفین پر بھی مولانا محمد اسمٰعیلؒ کے وعظ کا جو اثر ہوتا تھا اس کا اندازہ معاصرانہ تحریروں مثلاً ''آثار الصنادید'' میں ہوسکتا ہے، آپ کو اللہ نے جہاں یہ ملکہ دیا تھا کہ اپنی بات استدلالی انداز میں بھاری بھرکم الفاظ میں پیش کریں جو خطابت کی جان ہے اسی طرح سامعین ومخاطبین کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے سلیس وشستہ انداز میں بھی وعظ ونصیحت فرماتے کہ انقلاب احوال ہوجاتا، دلوں کی سلوٹیں نرم پڑجاتیں اور اندر کی دنیا بدل جاتی، ایسے ہی ایک موقع پر جبکہ موضع مردان کے مجاہدوں کو امان دینے کے باوجود بعض مجاہدین نے ان کے مال ومتاع کو لوٹ لیا تو وہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے پاس آئے اور اپنا دکھڑا سنایا، اس موقع پر آپ نے شستہ اور سلیس اور سادے الفاظ اور عام فہم انداز میں طاعت امیر پر جو وعظ فرمایا وہ اردو ادب میں فن پارہ سے کم نہیں۔

ادب کی تاثیر

فن بیان میں احساسات، جذبات، خیالات اور اس سے بڑھ کر ہمارے ذوق جمال کی آبیاری کرتے ہیں، اور اس طرح ہمارے دل کی گہرائیوں میں پہونچ کر گوش وہوش کے تاروں کو جھنجھنا دیتے ہیں اور ہم بے خود ومست ہوکر جھوم جھوم اٹھتے ہیں، یا غم واندوہ اور غلطی کا احساس ہونے پر آنکھوں سے مئے عشرت شبانہ بہنے لگے ہیں، اثر انگیزی اور لذت افروزی کا یہی وہ

بلند مقام ہے جہاں ادب صرف جادو ہی نہیں بلکہ خود زندگی بن جاتا ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا وعظ

زندگی کے ان تابندہ نقوش کو سید شاہ اسمٰعیل شہید کے وعظ و نصیحت کے آئینہ میں ملاحظہ فرمایئے، ''وقائع احمدی'' میں یہ وعظ ان الفاظ میں موجود ہے۔

مولانا نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا، امیر کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کا حکم ماننے میں چوں و چرا نہ کرے، اگرچہ اپنے نفس کے خلاف معلوم ہو، ہم نے سنا ہے کہ آج لوگوں کا مال واسباب تو بعض بھائیوں کو ناگوار ہوا، یہ بات نہ جانے ہم نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم موافق واپس کروادیا ہے، اس مال کا لینا بھائیوں کو درست نہیں تھا، اس بات سے خوش ہونا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قیامت کے مواخذہ سے بچایا اور جو کسی کے دل میں بشریت کی راہ سے کچھ خطرہ نفسانی آیا ہو تو اس سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، امید ہے کہ بخش دے گا، مولانا کا وعظ سن کر لوگوں پر بڑا اثر ہوا، اور اپنے دل میں بڑے نادم ہوئے اور کہا کہ مولانا نے حق فرمایا۔

''تقویۃ الایمان'' کی ادبی حیثیت

مولانا کی علمی قابلیت، عقل سلیم، نیز منطق اور زور استدلال اور زور کلام کا صحیح اندازہ ان کی کتابوں سے ہوتا ہے، مولانا کی چھوٹی بڑی تصنیفات میں فی الوقت ''تقویۃ الایمان'' جو اردو ہی میں لکھی گئی، اور حقیقت میں یہ کتاب اس تحریک کی جان وروح اور آئینہ ہے جس میں اس عظیم الشان تحریک کی صورت نظر آتی ہے، آپ نے یہ کتاب اس وقت لکھی جب اردو زبان ایام طفولیت سے گزر رہی تھی، ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں، ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے، ''موج کوثر'' کے مصنف نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے، ''یہ کتاب نہ صرف مذہبی بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہم ہے، اس کا طرز تحریر ایسا با اثر اور پرزور ہے کہ بقول صاحب سیر المصنفین معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریائے ذخار امنڈا چلا آتا ہے''۔

شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں توحید کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ

آپ کے زور بیان اور جوش اصلاح کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، آپ فرماتے ہیں:

''سننا چاہئے کہ اکثر لوگ پیروں اور پیغمبروں کو اور شہیدوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت برائی کے لئے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے، کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش، کوئی امداد بخش، کوئی سالار بخش۔۔۔۔۔ ان کے جینے کے لئے کوئی کسی نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بدھی پہنتا ہے، کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام کے جانور ذبح کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کی دہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے، غرض جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں، سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان انبیاء اور اولیاء سے، اماموں سے اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کہہ گزرتے ہیں، اور دعویٰ مسلمانی کئے جاتے ہیں، سبحان اللہ یہ منھ اور یہ دعویٰ''۔

کسی زبان کی ترقی کا راز

کسی زبان کی ترقی، وسعت و ہمہ گیری کی بات یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مراحل میں اظہار رائے کا ذریعہ اور اس کی ضرورتوں کا کفیل ہو، اس کے ساتھ ساتھ اس کے ادبی سرمایہ میں دوسری زبانوں کی قدریں، معانی و مفاہیم کو جذب کرنے کی صلاحیت ہو تو اس سے بھی اس کے ادبی و علمی دائرہ میں وسعت آتی ہے، عربی زبان میں یونانی علوم کی منتقلی سے اس کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہوا، اسی طرح اردو زبان میں فارسی اور عربی کی بیش بہا علمی ذخائر کی منتقلی نے آج اس کو بین الاقوامی حیثیت دی، اور ہر موضوع پر اس زبان میں خامہ فرسائی کی گئی، اس تحریک پر جو کچھ لکھا گیا یا اس کے مقاصد کی وضاحت کی گئی، اس کے لئے

فارسی زبان کو بھی ذریعہ بنایا گیا، سید صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ''صراط مستقیم'' جسے مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبد الحی صاحب نے ترتیب دیا، آپ کی تحریک کا بہترین آرگن ہے، جہاں معاشرہ کی دکھتی رگوں کو پکڑا گیا، اور مؤثر پیرایہ بیان میں اس کی خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے، اس کو بھی اردو کا جامہ پہنایا جاچکا ہے، شاہ صاحب کی دوسری کتاب ''منصب امامت'' ہے، جو آپ کی ادبی نگارشات کا بہترین نمونہ ہے، جہاں وہ مقربین بارگاہ الٰہ کی نقش محبوبیت کا تذکرہ کرتے ہیں وہ حصہ بڑا دلکش و دلآویز ہے، ہم حضرت شہید کی ایک عبارت اس کتاب سے نقل کرتے ہیں، ہر چند کہ اصل کتاب فارسی میں ہے، لیکن اس کا اردو ترجمہ بھی زبان و بیان کی تاثیر سے پُر اور عربی قدر و قیمت سے لبریز اور جذبہ عقیدت، والہانہ محبت، اور عظمت و احترام کا بہترین ادبی نمونہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

''منصب امامت'' کی دلآویز عبارت

''معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کو دیگر افراد انسانی کے مقابلہ میں خاص امتیاز حاصل ہے، ان پر قدرت کی نظر رحمت اور ان کو مناجات الٰہیہ سے خاص مسرت ہے، وہ فراوانی انعامات سے سرفراز و فضل و کرم کی بارشوں سے ممتاز ہیں، چمن محبوبیت کے گل یاسمین اور انجمن مقبولیت کے اورنگ نشین ہیں، آسمان انس کے درخشاں اختر اور علم قدوس افسر ہیں، مناصب جلیلہ کی تفویض کے لائق اور مہتم بالشان امور عظام کی انجام دہی میں فائق ہیں، کروبیوں کے محفلوں کے سردار اور قدوسی لشکروں کے سپہ سالار ہیں، ان کی خاص توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے اور ان کی دعا لاریب مقبول ہوتی ہے، ان سے محبت کرنے والا حضرت رب العزت کا محبوب اور ان سے عداوت رکھنے والا اس بارگاہ میں مبغوض و مغضوب ہے، ان سے محبت ترقی درجات کا ذریعہ اور ان کا توسل نجات کا وسیلہ ہے''۔ (۱)

تحریک کے فروغ میں مولانا عبدالحی کا کردار

اس تحریک کے گل سرسبد مولانا عبد الحیؒ خلیفہ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ ہیں، آپ کے فیض صحبت نے انہیں جوہر آب دار بنا دیا تھا، وہ خاموش طبع تھے، لیکن ان کا ایمان چٹان کی

(۱) منصب امامت ص ۴

طرح محکم ومضبوط تھا، زبان وبیان پر بے پناہ قدرت تھی، زور خطابت کا یہ حال تھا کہ مسلسل کئی کئی گھنٹے تقریر کرتے ور اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے جوش جہاد پیدا کرتے، آپ کے خطبات کے نمونے سیرت سید احمد شہیدؒ میں موجود ہیں، ان کی ادبی اور فنی قدرو قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لکھنؤ میں قیام کے دوران ایک روز آپ نے جمعہ کے دن وعظ فرمایا، مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، ازدحام کا عالم یہ تھا کہ لوگوں نے اگلوں کی پشت پر سجدہ کیا اس موقع پر مولانا عبدالحیؒ نے سورۃ الانبیاء کے اس رکوع سے وعظ کہنا شروع کیا" وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ" اور ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو نیک راہ دی تھی اور ہمیں ان کی خبر تھی، اس کے ضمن میں تعزیہ داری، عرس، محفل سرود، قبر پرستی وغیرہ کو کھول کھول کر بیان کیا، ہزاروں شیعہ وسنی سنتے تھے اور سینکڑوں آدمی زار وقطار روتے تھے، اور آپس میں کہتے تھے کہ سبحان اللہ! اس بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی قرآن مجید نازل ہوا ہے، افسوس کہ آج تک ہم گمراہی میں مبتلا رہے۔

مولانا عبدالحیؒ کی اثر انگیز تقریر:

"وقائع احمدی" میں ہے کہ تمام حاضرین محفل سکتہ میں تھے، مولانا عبدالحیؒ صاحب نے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

صاحبو! تم سب سے عرض کرتا ہوں اس کو متوجہ ہو کر سنو اور اس کا جواب دو، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی داڑھی اتنی بڑی تھی کہ تمام سینہ چھپا لیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی داڑھی بھی ایسی ہی تھی، اہل سنت وجماعت محبت چار یار کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کو حضرت علی مرتضیٰ کی محبت کا دعویٰ ہے، محبت کے معنی ہیں اس چیز کی طرف میل ورغبت کرنا جو مرضی محبوب کے موافق ہو نہ یہ کہ اپنے محبوب کی رضا کے خلاف چلے، بڑا تعجب ہے کہ دونوں فریق داڑھیاں منڈواتے ہیں اور منہ سے صحابہ اور اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کئے جاتے ہیں۔

یہ سن کر جن صاحبوں کی داڑھیاں منڈی تھیں، انہوں نے منہ پر رومال باندھ لئے، توبہ کی اور اس روز سے لوگوں کو ہدایت ہونا شروع ہوگئی۔

تقریر کا حاصل یہی ہے کہ جس موضوع پر مقرر بول رہا ہے، اس کا حق ادا کردے

اور مجمع پر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اس طرح کرے کہ وہ مجمع کو متاثر کر کے اپنا ہم خیال بنالے، اسی وجہ سے تقریر کو نثر فنی کی بہترین قسموں میں شمار کیا جاتا ہے، ان تصریحات کے آئینہ میں ان خطبات کی ادبی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

شاہ ہدایت علی جے پوریؒ

حضرت سید صاحب اور آپ کی تحریک کا اثر دور دراز خطوں تک پہونچا، بڑی قدآور شخصیتیں متاثر ہوئیں اور زندگی کے پر پیچ راہوں پر آپ کی رہبری قبول کی اور آپ کے داعیانہ امور وضوابط کی روشنی میں برصغیر کے لاکھوں عوام کو رہنمائی ملی اور ہدایت کی ساقی گری ہوئی، اس کے لئے جس زبان کا استعمال ہوا وہ عام طور سے اردو ہی تھی، جس کی وجہ سے اردو کو دور دراز خطوں میں پہونچنے اور پروان چڑھنے کا موقع ملا اور اس کی ادبی اور فنی حیثیت بھی اجاگر ہوئی، اس موقع پر حضرت شاہ ہدایت علی جے پوریؒ کا تذکرہ بجا ہوگا، جن کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ایک وسیع حلقہ کو متاثر کیا، جن کے یہاں تصوف کی چاشنی بھی ہے، اور علم وعمل کی کارفرمائی بھی، اخلاص وللّٰہیت کا بے پناہ جذبہ بھی ہے اور حسن اخلاق کا بے مثال نمونہ بھی، حضرت شاہ ہدایت علیؒ نے تصوف وسلوک پر کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، مثلاً معیار السلوک ودافع الاوہام والشکوک، احسن التقویم، فتوح الحرمین فی مبشرات الرسول الثقلین اور در لاثانی جو خلاصہ ہے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا، جس کی ترتیب وتلخیص حضرت شاہ صاحب نے اپنی اسیری کے زمانہ جے پور سنٹرل جیل میں کیا ہے، حضرت شاہ صاحب نے خواجہ معصوم سرہندیؒ کے مکتوبات کا خلاصہ بھی کیا ہے لیکن وہ مکمل نہ ہوسکا، ان کتابوں کے مندرجات سے جہاں شاہ صاحب کے علمی وسعت، دقت رسی، فکری عمق، وسعت نظری اور تصوف میں اعتدال وتوازن کا اندازہ ہوتا ہے وہیں آپ کی ادبی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے، تصوف کے زولیدہ اور باریک مسائل کو جس طرح آپ نے حل کیا ہے، وہ زبان پر قدرت کی دلیل ہے اور پھر سلیس اور عام فہم انداز میں جس کو پڑھ اندازہ ہوتا ہے کہ وہی روح کام کر رہی ہے جو سید صاحب کی تحریک کی اصل روح اور جان تھی، اسلامی عقیدہ میں توحید کا جو مقام ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے احسن التقویم میں یوں رقمطراز ہیں:

اولیاء اللہ اور ابرار و صالحین و شہداء اور عالم مومنین نے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ جادہ حق اور اتباع حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے حاصل کیا ہے اور بتوسل حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام وہ صحابہؓ کمال عروج پر پہونچے ہیں، اور ان کا ہر فعل اور ذکر و فکر خالص توحید سے لبریز تھا، اور اس میں شرک غیر اللہ کا شائبہ بھی نہیں، کیونکہ اسلام میں شرک سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں، اسی واسطے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا۔

''اے میرے بیٹے اللہ کی ذات وصفات میں کبھی شرک نہ کرنا، تحقیق کرنا بڑا گناہ ہے، اور سورۃ کہف کے آخر میں ہے، تو جو شخص چاہے کہ اللہ سے ملاقات کرے پس اس کو چاہئے کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اے نبی! آپ کہدیں کہ میں اپنی ذات کا مالک نہیں ہوں کہ نقصان سے بچالوں یا نفع حاصل کرلوں مگر اللہ جو چاہے گا وہ ہوگا۔''

یہ ہے توحید اصلی خالص جس سے تمام مذاہب خالی ہیں اور اسی خالص توحید سے مسلمانوں کے پیشواؤں کو اصلی اور حقیقی تقریب حق اور انتہائی عروج ملا ہے۔

حضرت شیداحمد شہید سے روحانی نسبت

حضرت شاہ ہدایت علی صاحبؒ جدامجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا تعلق حضرت سید صاحب سے نسبی تو نہیں لیکن روحانی، علمی وفکری ضرور ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا جھکاؤ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طرف کیوں ہے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت سید شہید کی نسبت کام کررہی ہے، ہمارا پورا ننیہال حضرت سید احمد شہید کی تحریک میں شریک تھا بلکہ ہمارے ایک عزیز کا عالم یہ تھا کہ ان کے دونوں پیر جہاد میں کٹ گئے تھے، چلنے پھرنے سے معذور تھے، لیکن کبھی کبھی جہاد کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ عزیزوں سے کہتے: میرے لئے گھوڑے تیار کرو اور مجھے اس کی پشت پر باندھ دو، اس کے بعد گھنٹوں گھوڑے پر سوار رہتے اور تلوار اور نیزے اس طرح چلاتے گویا میدان جہاد میں غنیم کی فوج پر یلغار کررہے ہیں، جب انہیں معلوم ہوا کہ سید صاحب شہید ہوگئے تو

کہتے تھے، نہیں وہ زندہ ہیں اور پھر آئیں گے اور پورے ملک کو کافروں سے آزاد کرائیں گے، ظاہر ہے اس تعلق کا اثر خاندان کے سپوتوں پر ضرور ہوگا اور واردات قلبیہ اور نگارشات علم میں اس کے اثرات ضرور ہوں گے، حضرت شاہ ہدایت علی صاحبؒ نے انسان کی بشریت پر جہاں کلام کیا ہے، وہ بھی انہیں کا حصہ ہے، اس مضمون کو جس خوبی سے ادا کیا ہے، اس میں خطابت کا زور اور تحریر کا بانکپن نمایاں ہے، فرماتے ہیں:

''یہی انسان جامع کمالات ہے، یہی انسان اصل مخلوقات ہے، یہی انسان آئینہ ذات وصفات رحمٰن ہے، یہی انسان مبدأ کمال ہے، یہی انسان علمہ البیان ہے، یہی انسان احسن التقویم، دلیل ذات سبحان ہے، اسی کا قلب مسجد حقیقی وجلوہ گاہ خالق زمین وآسمان ہے۔

لیکن لفظاً ہر بشر بشر ہے اور حقیقتاً لفظ بشر حضرات انبیاء کے واسطے درست ہے اور کمال بشر خیر البشر علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے موزوں ومناسب ہے، آگے فرماتے ہیں، جو انسان صاحب دل نہیں وہ دل کو کیا جانے، اور جو جوہری نہیں وہ گوہر کو کیا جانے، جو بیدرد ہے وہ اہل درد کو کیا پہنچانے؟ ۔۔۔۔۔۔ یہ جہاں دار العمل ہے اور جزاء وسزا آنے والا ہے، من طلب وجد عام ہے، عقل وشعور سے کام لے تو تمام مخلوق میں بہترین مخلوق ہے، اسی مخلوق کی تہذیب وتزئین کے لئے پیغمبر علیہم السلام آئے، اور صوفیاء کرام اور علمائے عظام نے اپنی کوششیں صرف کیں، جو ان سے قریب ہوا اس کی زندگی میں انقلاب ہوا اور سوچ وفکر کے پیمانے یکسر بدل گئے۔''

سرسید احمد خان پر تحریک کے اثرات

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے جہاں جوش جہاد وکفر سے عناد پیدا ہوا وہیں سوچ وفکر کے پیمانے بھی بدلے، ملت اسلامیہ کو اپنے تشخصات وامتیازات کی بقا کے لئے تعلیمی میدان میں آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی، لہٰذا دار العلوم دیوبند اور علی گڈھ تحریک ہر چند کہ

دونوں کا بہاؤ مخالف سمتوں میں رہا لیکن حقیقت میں اسی تحریک جہاد و اجتہاد کے تاثر ہی کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء تو حقیقت میں اسی خوان یغما کا خوشہ چین اور اسی شجر طوبیٰ کی پر بہار اور مثمر شاخ ہے، علی گڑھ تحریک کے روح رواں گل سرسید احمد خاں صاحب آپ کی تحریک سے بے حد متاثر تھے، انہوں نے اپنی کتاب ''آثار الصنادید'' میں حضرت سید احمد رائے بریلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حالات جس فرط ادب و محبت سے لکھے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی، ''موج کوثر'' کے مصنف نے ''حیات جاوید'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ حضرت سید احمد کی تحریک سے بہت متاثر ہوئے، انہوں نے اپنے آپ کو اس زمانہ میں علی الاعلان وہابی مسلمان کہا جب وہابی باغی سمجھے جاتے تھے۔

سرسید نے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کا جواب لکھتے ہوئے تصریح کی تھی کہ مولانا سید احمد شہید اور ٹھیک سمجھو تو شاہ اسماعیل شہید کی تمام کوشش اس امر پر مبذول تھی کہ ہندوستان میں اپنے مذہب اسلام کی تہذیب و اصلاح کرنی چاہئے، سرسید نے حضرت سید احمد شہید کی تائید میں کئی کتابیں لکھیں، مثلاً راہ سنت و رد بدعت، اور کلمۃ الحق وغیرہ۔

''تہذیب الاخلاق'' کا اجراء

اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ قوم کی زبوں حالی دیکھ کر اس کی اصلاح کے لئے مختلف سوسائیٹیاں قائم کیں اور عملاً ان کی ترویج و ترقی کی کوشش کی اور اس کی انہیں شدت سے احساس تھا کہ:

قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ ایک نئی زبان تیار ہو جو فارسی کی جگہ لے کیونکہ اس زبان کا مستقبل ہندوستان میں تاریک ہے، ایک نیا لٹریچر پیدا ہو جو شاندار ماضی اور موجودہ زبوں حالی کی تصویر قوم کے سامنے کھینچ کر رکھ دے، ایک نئی نثر رائج ہو، جو زور انشاء دکھانے کے لئے نہیں بلکہ روزمرہ کے واقعات بیان کرنے کے لئے کام آئے، انہیں احساسات کو عملی شکل دینے کی غرض سے'' تہذیب الاخلاق'' کا اجراء کیا گیا، ہر چند کہ ''تہذیب الاخلاق'' کی وجہ سے انہیں مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس میں کوئی شک نہیں،

اس کی وجہ سے قوم میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی، مولانا ابوالکلام آزاد نے ۲۰ رفروری ۱۹۴۵ء کو علی گڈھ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''اغلب خیال یہ ہے کہ عوام کے ذہنی رجحانات پر ہمہ گیر اثرات'' تہذیب الاخلاق'' نے چھوڑے ہیں، ہندوستان کے کسی اور رسالے نے نہیں چھوڑے، اس رسالے کے اجراء سے موجودہ اردو ادب کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، اردو نے اس رسالے کی بدولت اتنا فروغ پایا کہ دقیق سے دقیق مطالب کا اظہار اس زبان میں ہونے لگا، اس دور کا کوئی مسلمان ادیب ایسا نہ تھا جو تہذیب الاخلاق کے حلقۂ ادب سے متاثر نہ ہوا ہو، دور جدید کے بلند معیار مصنفین نے بھی خوان نعمت سے لقمے چنے اور اسی حلقہ کے اثر ونفوذ سے نقد وبصر کی نئی قدریں اور فکر ونظر کے نئے زاوئے متعین ہوئے۔''

نظم وقصائد پر تحریک کے اثرات

اس تحریک کے زیر اثر اردو زبان وادب کے نثر فنی کو جہاں فروغ ہوا وہیں اس کے دوررس اثرات نظم وقصائد میں بھی چھٹکی ہوئی چاندنی کی طرح نظر آتے ہیں، یوں تو رزم نامے اور شاہ نامے فارسی اور اردو میں خاصی تعداد میں لکھے گئے، اردو میں صوفی شعراء نے مثنویاں لکھیں جن کے ذریعہ اخلاق میں دلکشی پیدا ہوئی، مولانا حالی کی مقبول ترین مسدس سامنے آئی، اور حضرت عبدالرزاق کلامی نے فتوح الشام کو ۲۵ ہزار اشعار میں ''صمصام الاسلام'' کے نام سے منظوم کیا اور حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام لکھا، مولانا شبلی نے اسلامی تاریخ کے واقعات پر مشتمل نظمیں لکھیں اور رزمیہ قصائد خود اقبال کے یہاں بھی ملتے ہیں، پھر علیم ناصری نے شہداء بالاکوٹ کی مناسبت سے شاہنامہ بالاکوٹ تحریر کیا جس کے بارے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

علیم ناصری صاحب کے یہاں زبان وبیان میں بڑی سادگی وشگفتگی ہے، طرز ادا میں دلکشی اور دلکشائی، تاریخی واقعات کا تسلسل اور جزئیات کا احاطہ، مزاج کی اسلامیت اور

دینی غیرت وحمیت اورفن کے ظاہری ومعنوی محاسن کی موجودگی نے ان کے'' شاہ نامہ بالاکوٹ'' میں عصر حاضر کے ایک اچھے اسلامی رزمیہ کی شان پیدا کردی ہے جس کو پڑھتے ہوئے آنکھیں بھی نم ہوتی ہیں اور دلوں میں حرکت وحرارت بھی محسوس ہوتی ہے اور یہ کسی ادبی شاہکار کی کامیابی کی ایک بڑی دلیل اور کھلا ثبوت ہے۔

حرف آخر

حضرت سید صاحب کے رفقاء اور مریدین پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے، حوادثات کے شرارے برسے، زمانے کے بے رحم ظالم نے اپنے پنجوں سے انہیں خاک وخون میں غلطاں کیا لیکن وہ عزت کے پہاڑ ثابت ہوئے، قیدوبند کی مصیبتیں جھیلیں، فاقہ مستی کی صعوبتیں اٹھائیں لیکن اف نہ کیا، مختلف قسم کے ان پر مقدمے قائم کئے گئے، پھانسی کا حکم سنایا گیا، جلاوطنی پر مجبور ہونا پڑا، پوری پوری بستیاں مع ساز وسامان کے زمین دوز کردی گئیں، لیکن انہیں شکایت نہیں ہوئی، دعوت وعزیمت کی داستان اگر دیکھنا ہو تو انہیں مظلومین کی تحریروں کو دیکھئے۔ جنہوں نے خون دل سے صفحہ قرطاس پر ایمان ویقین اور دعوت وعزیمت کی تاریخ ثبت کی ہے، تحریر کا بانکپن ان کی ادبیت کا غماز ہے اور تحریر کی حلاوت ان کی للّٰہیت وخلوص کا آئینہ دار ہے، تاریخ عجیب، تواریخ عجیب اور سوانح عجیبہ کے مؤلف مولانا جعفر تھانیسری کے دامن سے واقعات وحالات، احساسات اور تصورات کے بیش بہا ان ادبی آبگینوں اور جواہر ریزوں کو چنا جاسکتا ہے، تذکرہ صادقہ اور سرگزشت مجاہدین میں ڈھونڈھا جاسکتا ہے، وقائع احمدی، سوانح احمدی کے آئینہ میں ان کی تصویر دیکھی جاسکتی ہیں، آثار الصنادید اور حیات طیبہ میں ان پاکیزہ نفوس کی قدآور اور دلآویز شخصیتیں نظروں میں پھر جاتی ہیں، اور پھر سیرت سید احمد شہید تو ان سب کا عطر اور خلاصہ ہے جس کی زبان و بیان پر تبصرہ آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

حضرت سید صاحب کی تحریک اپنے حجم وزمانے کے اعتبار سے ضرور قلیل تھی، لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے اس کے حدود بے حد وسیع تھے، اس کی اثر اندازی سے اردو زبان کیسے محروم رہتی، اسی کا ہلکا نمونہ اس مختصر مضمون میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ
اور
ان کا اردو کلام ''مثنوی نور سلک'' کے آئینہ میں

تمہید

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ عروج وزوال کی شاہ کلید قوموں کے اعمال سے وابستہ ہے، قرآن پاک نے اس حقیقت کو بہت صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: {وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيرٍ} (شوریٰ) ''اور جو مصیبت تمہیں لاحق ہوئی وہ تمہارے اعمال کی پاداش میں ہے، اور اکثر تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔''

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

{اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ} ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنے آپ کو بدل دیں''، یہ تبدیلی ملکی، قومی یا سیاسی سطح پر نہیں ہوتی جس کی بنیاد پر قوموں کے عروج وزوال کا فیصلہ ہوتا ہے، بلکہ یہ پہلے انفرادی، اجتماعی، دینی سطح پر رونما ہوتی ہے پھر اس کے اثرات ہمہ گیر ظاہر ہوتے ہیں، بڑی سلطنتیں اور طاقت ور جماعتیں ریت کا ڈھیر ثابت ہوتی ہیں یا خواب وسراب کی طرح نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں، جب بھی اس سطح کا بگاڑ اجتماعی زندگی کو لاحق ہوا اس مالک حقیقی نے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جنھوں نے قوم کو اس مہیب ہلاکت اور ہمہ گیر تباہی سے بچانے کی بھرپور کوشش کی،

انبیاء علیہم السلام کی صورت میں زریں سلسلہ روئے زمین پر قائم رہا، یہاں تک کہ نبی آخر الزماں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، آپ نے سوتی ہوئی دنیا کو زندگی کی لطافتوں سے روشناس کیا، خود فراموشی سے نکال کر خود شناسی اور خدا شناسی کے مقام تک پہنچا دیا، کفر وشرک، ظلم وجہالت کے نشیمن کو سبوتاز کیا، اور اسلام کی باد بہاری نے عارض گیتی کو تابندگی عطا کی، اسلام کا قافلہ رواں رہا، داعیان اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

قلعہ معلٰی دہلی کی حالت

ہندوستان جو ظلم وجہالت کی آماجگاہ اور کفر وشرک کا نشیمن تھا، اسلام کی زرتار کرنوں نے اسے روشن ومنور کیا، جہالت کی بیخ کنی ہوئی، ظلم کا شیرازہ بکھر گیا، کفر وشرک کے شرارے سرد پڑ گئے، اسلامی سلطنت قائم ہوئی، اور دین ودنیا کے الگ الگ دھارے ایک ساتھ رواں ہو گئے، لیکن اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسے دین دار، باحمیت، خوددار، اولوالعزم، ذکی، باضمیر اور غیرت اسلامی سے سرشار بادشاہ کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے وارثین اس عظمت کو باقی نہ رکھ سکے، دینی حالت کے زوال پذیر ہونے کی وجہ سے (جس کے مختلف اسباب تھے) بنیادیں ہل گئیں اور اس کا دائرہ سمٹتا چلا گیا، یہاں تک کہ تیموری جاہ وجلال قلعہ معلٰی دہلی میں محصور ومحبوس ہو کر رہ گیا اور وہ بھی ایک نمک خوار اور حاشیہ نشیں بادشاہ کی حیثیت سے اکبر شاہ ثانی کی پیرنوازی اپنے جلو میں خرافات وبدعات اور مشرکانہ رسوم ایسی کہ ''الامان الحفیظ''، ضمیر فروش علماء کی تائید نے اسے اور بڑھا دیا تھا، مرزا حیرت دہلوی نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''ناقابل برداشت بدعتوں اور شرمناک شرکوں کی حد ہو چکی تھی، اور کہیں برائے نام دیکھنے سے بھی اسلام کا پتہ نہ رہا تھا، اکبر شاہ گور پرست اور پیر پرست تھا، اور وہ ایسے لوگوں کو پیر بناتا تھا، اور انہیں ولی اللہ جانتا تھا کہ جن کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی ہو، جن کی زلفیں لمبی

لمبی اور عطر میں ڈوبی ہوئی ہوں، جو پور پور چھلے پہنے ہوں، جن کے کپڑے نفیس گیروا رنگے ہوئے ہوں، جو طبلہ کی چوٹ اور قوال کی ہائے ہائے پر لطافت سے بھرنا جانتے ہوں، جن کے ماتھے قبروں پر ٹکتے ہوں، ایسے نفوس کی تعظیم قلعہ میں بہت دھوم دھام سے کی جاتی تھی، بادشاہ مع بیگموں کے خود ان کے پاس آیا کرتے تھے، بیگمیں ان پر او ران کی اولاد پر حلال تھیں۔''(۱)

بدعات وخرافات کی کثرت

علماء کا گروہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، علم دین کی انتہا شرح ملا پر رہ گئی تھی، ساتھ ہی اس مذہبی منزل کی بیہودہ تصانیف کا زور ہوا، اور وہی کتابیں درس میں داخل ہوگئیں، بڑے شرفاء اور عمائد جو بڑے ڈینگ کی لیتے تھے، ان کی بہوئیں سیتلا ماتا کی پرستش کرتی تھیں، دسہرہ ان کے ہاں پوجا جاتا تھا، بت پرستی خوب دھڑا کے سے ہوتی تھی، عیدین میں بھی ہنود کی رسمیں ایسی ملا دی تھیں کہ عید عید نہ رہی تھی، سجدوں کا ادب مطلق نہ رہا تھا اور شہنشاہ خود اپنے کو ظل اللہ اور نائب رسول اللہ کہنا بڑا فخر جانتے تھے، سالانہ نوروزی جشن میں ہاتھوں میں کنگنا بندھوانا اپنی شوکت کی بانگی جانتے تھے۔

شریعت میں جن امور کو سختی سے منع کیا گیا ہے، وہ بہت شوق اور بہت دھوم دھام سے کیے جاتے تھے اور ان کا کوئی روکنے والا نہ تھا، درباریوں کی ہمہ دانی کی ایک یہی مثال کافی ہے جب کہ نادرشاہ کا ایلچی آیا اور اس نے نادرشاہ کا رقعہ دیا تو تین برس تک اس میں جھگڑا ہوتا رہا کہ نادر کو القاب کیا لکھا جائے۔'' (حیات طیبہ، ص ۷)

قلعہ معلی کی یہ بدعتیں اور ناگفتہ بہ حالتیں مسلم قوم کا وہ آئینہ ہے جس میں اس دور کے معاشرہ کی تصویر صاف جھلکتی نظر آتی ہے، دین سے دوری نے مختلف توہمات کو فروغ دیا، بالآخر توہمات وخرافات ہی دین خیال کیے جانے لگے، جب علماء حق نے اس کے خلاف آواز اٹھائی، قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو دعوت دی تو بدعات ورسومات کی باسی کڑھی میں ابال

---

(۱) حیات طیبہ، ص ۱۴، از مرزا حیرت۔

آ گیا، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کو مسجد فتح پوری میں صرف اس لئے قتل کرنے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے اس دور کے علماء کے علی الرغم قرآن پاک کا عام فہم فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ماحول کی برہمی اور حالات کی ناسازگاری نے بالآخر حرمین شریفین کی طرف ہجرت کرنے پر آمادہ کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مہر جہاں تاب اپنی تابانی سے ایک جہاں کو منور کر رہا تھا، لیکن اس کی تابانی سے قلعہ دہلی محروم تھا، والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شدید مخالفت کا نظارہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، لہٰذا وعظ و تلقین میں وہ بھی محتاط ہو گئے تھے، ایسے بدعت خیز اور شرک انگیز ماحول میں ایک بے باک، جری اولوالعزم، ذکی الحس دوراندیش، کتاب وسنت سے واقف، شریعت مطہرہ کے رمز آشنا اور ایسے شناور کی ضرورت تھی جو ضلالت و جہالت کی سرکش موجوں کو چیرتا ہوا ساحل مراد تک قافلہ پہونچانے کا حوصلہ رکھتا ہو، جو شیر نر کی طرح کسی رعب و دبدبہ، جاہ و جلال اور شکوہ و جمال سے مرعوب نہ ہوتا ہو ؎

شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

قدرت نے یہ عظیم الشان شرف حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے لیے مقدر کیا تھا، جن کی خاندانی وجاہت مسلّم تھی اور تربیت اعلیٰ درجہ کی ہوئی تھی، آپ خاندان ولی اللہ کے روشن چراغ، شاہ ولی اللہ کے صاحب فضل و کمال سپوت اور شاہ عبدالغنیؒ کے فرزند سعید تھے، اسمٰعیل نام، شاہ صاحب لقب، شہید خطاب، قاطع بدعت کنیت، شاہ صاحب کی تاریخ ولادت میں کسی قدر اختلاف ہے، مختلف روایتوں کو دیکھ کر بارہ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ صحیح معلوم ہوتا ہے، آپ ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو ازسرنو مدون کرنے کی صلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک خط میں ان کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصانیف اور علوم میں حضرت شاہ ولی اللہ کی جھلک نظر آتی ہے، وہی علوم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق، قرآن وحدیث کا خاص تفقہ و استحضار اور زور کلام۔

شاہ صاحب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علماء، اہل درس اور اہل ذکاوت کے دائرہ سے باہر قدم نکالا، جو برسوں بلکہ صدیوں سے اس گروہ کے لئے مقرر ہو چکا تھا، اور اصلاح وارشاد عام اور جہاد وعزیمت کے دائرہ میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ اس میں قیادت کا فرض انجام دیا، تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵، ص ۸۷ ۳، ایک موقع پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ تفسیر قرآن پاک میں عبدالحیؒ میرا نمونہ ہے، اور تحریر میں رشید الدین، حدیث میں مرزا حسن علی اور فقہ میں شاہ اسحٰق اور شاہ اسمٰعیل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرے شباب کے زمانہ کا علم جس کو دیکھنا ہو وہ اسمٰعیل میں دیکھے۔ (۱)

شاہ صاحب کا امتیازی وصف

اس امتیازی وصف کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جدید ایڈیشن مقدمہ تقویۃ الایمان میں یوں بیان فرمایا ہے: اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ بہت سی درسی کتابوں کے مصنفین وشراح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے، اگر آپ کو اشتغال اور تصنیف وتالیف و درس وتدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے بہت سے پیش رو اور معاصر علماء سے آگے ہوتے، اور بہت سے فنون میں امام ومجدد کا منصب آپ کو دیا جاتا، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو انھیں علوم یا صنائع میں خارق عادت کمال دیتا ہے، جو ان کے زمانے میں رائج وشائع ہوتے ہیں تا کہ حجت ومعجزہ ہو سکے، اسی طرح حکیم مطلق نے خود اس کا سامان کیا کہ شاہ صاحب کو (جن سے اس کو علماء کی اصلاح وحق کی نصرت کا کام لینا تھا) ان تمام علوم وفنون میں غیر معمولی کمال حاصل ہوا، جو اس وقت عام طور پر رائج وضروری تھے، اور جن پر علماء فخر کرتے تھے اور جن کے بغیر وہ کسی کو عالم اور قابل التفات نہیں سمجھتے تھے، سرسید کا قول ہے کہ آپ کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی معرض حیرت میں ڈال دیتی اور وہ اپنے دلائل کو تار عنکبوت سے بھی سست تر سمجھتا (جماعت مجاہدین)۔

دعوت وارشاد میں سرگرمی

پندرہ سولہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت کے بعد جب سید احمد شہیدؒ کے دست حق

---

(۱) تحریک مجاہدین صفحہ ۲۷۔

پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہوا تو غیر معمولی ذکاوت اور علمی تبحر دو آتشہ ہوگیا، دعوت وارشاد کی ایسی سان چڑھی کہ شرک وبدعت کا وجود تھرا گیا، پوری زندگی احیاء دین اور رد بدعت کے لیے وقف کردی اور اس دعوتی جوش میں وہاں تک پہنچے جہاں تک روشنی مشکل سے پہنچتی ہے۔ وہاں بھی گئے جہاں مقدس و پاکباز جاتے شرماتے ہیں، جہاں سے علماء وصلحاء کتراتے ہیں، ہر اس جگہ گئے جہاں ان کی ضرورت تھی، جہاں حق کی آواز شاذ و نادر پہنچتی تھی، اور جہاں جاہلیت کی رات تھی، اسلام کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، انھوں نے اپنا خیال نہیں کیا، وہ یہ بھول گئے کہ وہ ان شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں، جن کا نام لینا معصیت وغفلت کے ان سیاہ خانوں میں گناہ ہے، اس عبدالعزیز کے بھتیجے ہیں جو اپنے علم وفضل سے بادشاہت کررہا ہے، ان کو صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک عالم ہیں، جن پر تبلیغ ''وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر'' فرض ہے اگر اس میں کوئی کوتاہی کی تو سارا دہلی قیامت میں ان کا دامن پکڑے گا۔ (۱)

خطابت کی گھن گرج سے شاہجہاں باد کی گلی گلی میں توحید وسنت کا چرچہ ہونے لگا، اور آپ کے اشہب خامہ سے مزعومات فاسدہ اور معتقدات باطلہ، بدعت وشرک اور اوہام پرستی کے استھانوں کو اپنی ٹاپوں سے روند ڈالا اور نوک قلم سے توحید وللّٰہیت اخلاص وتوکل اور ایثار وقربانی کی عمدہ تصویریں دلوں میں، ذہنوں میں بلکہ رگ و پے میں اتار دیں، نتیجہ بدعت ورسومات کے ٹھیکیدار اپنی پوری قہرمانیوں اور جنگ سامانیوں سے مسلح ہوکر توحید خالص کی اس صدائے حق کو کچلنے کے درپے ہوگئے لیکن اللہ وحدہ لاشریک کی شان یکتائی نے اس جسارت وبغاوت کو مہلت دینا گوارہ نہ کیا، اس کے غیور مزاج کے آگے شرک وبدعت کا سنگین محاذ بکھر گیا، ارباب جبہ ودستار کے توپ خانوں سے اٹھنے والی گھن گرج کا طلسم ٹوٹنے لگا، تقویۃ الایمان سے پھوٹنے والا نور توحید ظلمت شرک وبدعت کی موجوں سے ہنستا کھیلتا بے خط پھیلتا گیا، جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے، اسی طرح اس مشعل توحید سے بہت سی مشعلیں روشن ہوتی گئیں، یہاں تک کہ آخری دو صدیوں میں علم توحید کے روشن مشعلوں کا عظیم ذخیرہ جمع ہوگیا۔

---

(۱) تقویۃ الایمان، ص ۱۶، از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

''تقویۃ الایمان'' کی تاثیر اور اس کی ادبی حیثیت

آپ نے اس وقت لکھی جب اردو زبان ایام طفولیت سے گزر رہی تھی، ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں، ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے ''موج کوثر'' کے مصنف نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

یہ کتاب نہ صرف مذہبی بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہم ہے، اس کا طرز تحریر ایسا بااثر اور پُرزور ہے کہ بقول صاحب سیر المصنفین، معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریائے ذخار امڈا چلا آتا ہے۔

''تقویۃ الایمان'' سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہنچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کسی حکومت کی منظم کوشش سے مشکل سے ہوتی ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیلؒ کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے، اور ان کے بعد جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔

آپ کی شاعری کا تذکرہ

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اس دور کے علمی کمالات، رنگ و آہنگ، جمال و جلال کے مجتمع الصفات افراد میں تھے، جہاں وہ ایک بے مثل خطیب، محقق، مصنف، مجاہد، اولوالعزم داعی تھے، وہیں ان اوصاف فائقہ کے ساتھ پختہ اور پرگو شاعر بھی تھے، شاعری کے اداشناس ہی نہیں بلکہ سخن فہم و نکتہ شناس بھی تھے، جس ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی تھی اس نے خود آگاہی اور خدا گاہی دونوں کا یکساں درس دیا تھا، اور پوری زندگی اس حسین امتزاج کا قوس و قزح اور جمال آفریں بہار کا کامل نمونہ تھی، حضرت شاہ صاحب کی شاعری کا تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا ہے، صرف نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی کتاب ''اتحاف النبلاء'' سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب اقلیم شاعری کو بھی سر کر چکے تھے، اور ان کا اشہب خامہ اس میدان میں بھی تیز گام تھا کہ مولانا غلام رسول مہر صاحب نے جماعت مجاہدین میں آپ کی جہاں دیگر تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، وہاں آپ کی شاعری کا تذکرہ بس یوں ہی سا کیا ہے، جس سے صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے واقعی شاعری بھی کی تھی، وہ لکھتے ہیں:

کچھ منظومات بھی ان سے منسوب ہیں مثلاً ایک نعتیہ قصیدہ فارسی میں، ایک قصیدہ مدح میں، توحید پر ایک مثنوی فارسی میں موسوم بہ سلک نور اور اسی نام کی ایک مثنوی اردو میں۔[1]

مثنوی سلک نور

حالانکہ یہ مثنوی کتابچہ کی شکل میں ۱۲۹۰ھ میں مطبع نظامی سے شائع ہو چکی ہے، بعدازاں جناب محمد خالد سیف نے پاکستان سے شاہ صاحب کا ایک مجموعہ کلام اردو اور فارسی کی نظموں پر مشتمل شائع کیا ہے، اور اس طرح اردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہوا ہے، جو ادبی دنیا پر حضرت شاہ صاحب کی قادر الکلامی کا بین ثبوت ہے ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم

مجموعہ کلام کی تفصیل

سیف کے جمع کردہ مجموعہ میں جو کلام ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مثنوی سلک اردو ۱۳۱۴ھ میں مولوی ابو محمد جمیل صاحب کے حسب فرمائش رسالہ حقیقۃ الصلاۃ کے ساتھ پرکاش اسٹیم پریس لاہور سے طبع ہوئی تھی، حقیقۃ الصلوۃ حضرت سید احمد شہیدؒ کی ایک تقریر ہے، مرتب یا ناشر کی سہو کی وجہ سے اس کا انتساب حضرت شاہ صاحب کی طرف ہے، حقیقۃ الصلوۃ ص ۱ سے ص ۱۷ تک اور مثنوی سلک نور ص ۱۷ سے ص ۲۷ تک۔

۲۔ مثنوی سلک نور ''فارسی'' راولپنڈی کے ایک صاحب کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو انھوں نے ایک دوسرے قلمی نسخہ سے نقل کیا۔

۳۔ قصیدہ در مدح سید احمد شہیدؒ

۴۔ قصیدہ در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، از ملخص نئے اور پرانے چراغ ص ۱۲۰۸۔۱۹۵۔

شاہ صاحب کا اردو کلام مثنوی سلک نور

شاہ صاحب کے اردو کلام میں مثنوی سلک نور وہ معرکۃ الآراء نظم ہے، جس میں قوت بیان،

---

(۱) جماعت مجاہدین، ص ۱۲۹۔

دردوتاثیر، استعارات وکنایات کی اثر آفرینی، تشبیہات وتلمیحات کی کثرت، جودت طبع، الفاظ کا شکوہ، معنی کا جمال وجلال اور قوافی پر مالکانہ قدرت اور سحر انگیزی سب کچھ موجود ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ادب اسلامی کا اعلیٰ سے اعلیٰ جو تصور ہوسکتا ہے اس کا مثالی نمونہ اس مثنوی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسلامی ادب کا خاص مقصد

انسانی سیرت کی تعمیر اسلامی ادب کا خاص مقصد ہے، یہ کائنات میں انسانی زندگی کا کردار متعین کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ کائنات سے اس کا رشتہ کس نوعیت کا ہونا چاہئے اور انسان کا رشتہ انسان سے کس درجہ کا قائم ہونا چاہئے، اس کے کیا مراتب ہیں؟ اور وہ کس طرح اپنی زندگی سے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور دنیاوی امور وحالات میں اس کا کیا موقف ہے، اس کا تعلق اپنے خالق سے کس حیثیت کا ہے، اور وہ کیوں کر امن واطمینان کی فضا قائم کر کے دنیا کو آخرت کی تیاری کا مرکز بنا سکتا ہے۔

اسلامی ادب پوری زندگی پر محیط ہے، زندگی اور کائنات میں پیش آنے والے حالات وواقعات پر اسکی گرفت کبھی کمزور نہیں پڑتی، وہ واقعات کا فنی انداز میں تجزیہ کرتا ہے، اور اپنے گردوپیش کے حالات پر اپنا اثر ڈالتا ہے، اور اپنے پرتو جمال سے فکر وخیال کو صحت بخش غذا فراہم کرتا ہے، اور ہر طرح کے تخریبی عناصر سے ذہن کو پاک کرتا ہے، اور ماحول کو اخلاقی بیماریوں سے برابر پاکیزہ کرتا رہتا ہے، اجتماعی فتنوں کا نہایت حکمت کے ساتھ سدباب کرتا ہے، اسلامی تاریخ میں جتنے پرفتن واقعات پیش آئے، ان سب میں اس ادب کا کردار جلی سرخیوں سے لکھے جانے کے قابل ہے، خواہ وہ اعتزال کا فتنہ ہو یا خلق قرآن کا فتنہ ہو، یا باطنیہ کی تحریک اور تاتاریوں کی یورش ہو، یا صلیبی جنگ کے سیاہ بادل ہوں یا شرک وبدعت، رسومات وتوہمات اور فاسد مزعومات کی گرم بازاری ہو، ہر ایک کا قلع قمع کرنے میں اسلامی ادب نے نہایت یادگار اور مؤثر کارنامہ انجام دیا ہے۔[1]

مثنوی سلک نور کی نمایاں خصوصیات

اس تناظر میں مثنوی سلک نور کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی دعوت ادب کی واضح

---

(۱) ذکر وفکر، شمارہ ۴ ج ۱۔

تصویریں ہر ہر بند سے جھلکتی ہوئی نظر آئی ہیں۔

اس مثنوی میں جو چیز غور کے قابل ہے وہ اول تو یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے عقائد کی تشریح اس علمی انداز میں کرنے کی کوشش کی جو نثری کتاب ''تقویۃ الایمان'' اختیار کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے ایسے علمی ونظریاتی مطالب کے لئے انھوں نے جس طرح شعری تخیل سے کام لیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر شاہ صاحب سچ مچ شعروشاعری کے کوچے میں داخل ہوجاتے تو بلند پایہ شعراء کی صف میں ممتاز مقام کے مالک ہوتے۔

توحید میں ایمان اور شرک سے اجتناب (اور اس میں شرک جلی اور شرک خفی کی تفصیل) قدرتی طور پر ایسے مصنف سے اور ایسی نظم میں متوقع ہے لیکن بحیثیت شاعر ہمارے لئے تعجب اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی خدائی صنعتوں کی جزئیات نگاری کے ذریعہ شاعر نے خدا کی ہستی کے بارے میں جو گہرا تاثر پیدا کیا ہے، وہ ان کی قادرالکلامی کا ثبوت ہے۔

کون ومکاں اور مثنوی سلک نور

یہ شمس وقمر، یہ کواکب، یہ عالم عناصر، یہ جنگل، یہ کوہ، یہ معدن، یہ ابر سیاہ، یہ رعد وبرق، یہ قوس وقزح، یہ شجر وحجر، رنگ برنگ پھول، گل ولالہ ونسترن اور مرغ چمن۔۔۔۔۔۔۔۔۔

غرض ذکر میں ہیں سب رطب اللسان
ہر اک مثل طوطی ہے شیریں بیاں (۱)

ایک صاحب عقیدہ اور دعوت وحمیت سے سرشار شخص ہی کہہ سکتا تھا۔

اسی طرح کائنات کی رنگینیوں، اس کے حسن وجمال، اس کی بہاروں اور اس کے دلکش اور پرفریب مناظر، کائنات کی مہیب فضاؤں، اس کے دل دہلانے والے طوفان، اس کے دلکش نغموں، اس میں پیش آنے والے حوادث اور خطرات، صحراؤں کی وسعت اور اس کی

---

(۱) نئے اور پرانے چراغ، ص ۱۲۰۔

ہلاکت خیزیوں، زمین کی وسعتوں اور اس کے زلزلوں، پہاڑ کی بلند چوٹیوں، اسی طرح آسمان کی فضاؤں اور اس میں اڑنے والے طیور وطائرات، اس میں تیرنے والے اجرام، بادلوں سے اٹھنے والی گھٹائیں، اوران سے برسنے والی بارشیں، سمندر کی تاریکیوں اور اس کی گہرائیوں اور اس میں پرورش پانے والی مخلوق کو حضرت شاہ صاحب نے کس زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے، اس کی مہتابی کرنوں کا مشاہدہ کرنا ہو تو مثنوی سلک نور کو دیکھا جاسکتا ہے، ایک جگہ آبی مخلوق مچھلی کا تذکرہ اس انداز میں فرماتے ہیں ۔

یہ مچھلی عجب رہتی ہے آن میں
کہ سو سو کرے غسل ہر آن میں
سمندر کی تہہ میں ہے یہ مختفی
سدا ذکر کرتی ہے ذکر خفی
دے جتنی اس کی یہ تسبیح ہے
سو سب ایک نکتہ کی تشریح ہے
سو اس ذر سے ہوئے بے تاب ہی
تڑپتی ہے پھر سطح بر آب ہی
پھر امواج میں دیکھ لو ڈوب ڈوب
نکالے ہے دل کا بخار اپنے خوب
دکھائی ہے وہ راہ مشتاق کو
سکھائے ہے یہ رسم عشاق کو

آخری شعر میں ایک عام مخلوق مچھلی کے احوال کو یوں نظم کیا ہے جیسے تڑپتا ہوا بے قرار دل، بے تاب نگاہیں جو یان حق کی آمد کا منتظر رہتی ہیں، یہ ایک عام مخلوق کی عبادت کی اور ذکر و صفائے قلب، طہارت بدن، اور حالات کی برہمی اور امواج کی طغیانی میں راہ حق وسداد پر استقامت کے ساتھ قائم رہنے کی تھی، مگر انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کی عبادت کی شان ہی نرالی ہے۔

ہزاروں عبادت کے انواع ہیں
کہ یادان کو سب کے اوضاع ہیں
رہے اس لی خدمت میں حاضر مدام
نہ دے غیر کو اپنے دل میں مقام
اسی کے کمالات دیکھا کرے
اسی کے اشارات سمجھا کرے
اسی پر بھروسہ کرے سربسر
پھر اوروں سے بیٹھے ہوکر نڈر
غرض غیر سے جس قدر ہوئے دور
سو توحید کا اس قدر ہو ظہور

شاعر کا مقصود

اشعار کے اس نمونہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاعر ذات مجرد کو محسوس کی مدد سے کس طرح تصویری شکل میں دے رہا ہے، کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کے ذریعہ اس معبود حقیقی کی ذات منزہ کا کس خوبی سے تصور دلاتا ہے، چنانچہ جہاں شاعر خدا کی ذات بے ہمتا کی توصیف بیان کرتا ہے تو وہ اپنے تخیلات کو محسوسات سے اس طرح ہم آہنگ کر دیتا ہے تا کہ قاری کے ذہن پر وہ کیف منقش ہوجائے جو شاعر کا مقصود ہے۔

وہ الحق کہ دانائے اسرار ہے
کہ ہر چیز کا وہی مختار ہے
اسی پر ہے سرنہاں آشکار
اسی نے کیا سب کو یک یک شمار
حقیقت ہر اک چیز کی واں عیاں
وہ ظاہر ہو یا ہوئے سرنہاں
یہ جو کچھ کہ ہوتا ہے یارو کہیں
زمیں سے لگاتا بہ عرش بریں

سو سب کی خبر اس کو ہرآن ہے
غرض یارو اس کی بڑی شان ہے
ستارے یہ جتنے ہیں افلاک میں
دیا پھول بوتے ہیں اس خاک میں
یہ میداں میں جتنا چمکتا ہے ریت
دیا سبز کیے لہلہاتے ہیں کھیت
درختوں کے جتنے ہیں یہ برگ وبار
دیا ہیں زمیں پر یہ سب جاندار
سمندر کی موجیں ہیں جتنی عیاں
وہاں اس کی تہہ میں ہے جو کچھ نہاں
سو سب کچھ ہے حاضر وہاں روبرو
وہ ہر چیز کو دیکھے ہے موبمو
لگا رکھا ہے اس نے سب کا حساب
بنا رکھی ہے اس نے سب کی کتاب

اسلام میں زبان وادب کی اہمیت

الفاظ خیال ومعنی کے اظہار کا ایک وسیلہ ہیں، کسی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے لفظوں کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے، اس بارے میں لفظوں کی قلت وکثرت، ان کا انتخاب اور پھر ترکیب الفاظ میں بندش کی چستی، موقع محل کا لحاظ اور طرز ادا میں سلیقہ ہو تو بیان میں حسن اور اسلوب میں جمال پیدا ہو جاتا ہے، اسلام نے اس کی اہمیت کو قبول کیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار سوال کیا گیا ''حسن وجمال کی اصل جگہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے زبان یعنی ادب میں ظاہر ہونا چاہئے! فیما الجمال؟ قال فی اللسان یرید البیان'' (العمدۃ ابن رشیق)

زبان وادب کا یہی حسن، مسرت وانبساط کا سبب بنتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے دیکھا کہ مجلس میں قرآن پاک کے پہلو میں شعر

وسخن کا شغل بھی جاری ہے، تعجب سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن بھی اور شعروسخن بھی؟ فرمایا:

روحوا القلوب ساعة فساعة (ابوداؤد) کبھی کبھی دلوں میں نشاط اور سرور بھی پیدا کرلیا کرو۔

آیئے سرور وانبساط کی پرکیف اور نشاط انگیز جلوہ سامانیاں حضرت شہید کے ان اشعار میں دیکھیں جہاں وہ حسین گریز کے ساتھ اپنے ممدوح ومرشد کے روبرو حاضر ہیں اور گلشن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس گل سرسبد کا تذکرہ جب وہ کرتے ہیں تو ان کی حالت کچھ یوں ہوتی ہے ؎

جی میں آتا ہے اگر لکھوں مصرع برجستہ مگر
وجد میں آکے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل

(محسن کاکوروی)

وہ فرماتے ہیں:

ولے ان میں ایک گل ہے کھلا
کہ اوس سے ہنسا باغ دیں کھل کھلا
وہ مستی سے ایسا کھلا بوستاں
کہ قاصر ہے اس کی بیاں سے زباں
ہنسے کیوں نہ اس گل سے یہ باغ گل
محمد ہی بو اور احمد ہی گل
چمن میں مہکنے لگی مست بو
چہکنے لگیں بلبلیں چار سو
طلسمات سے بھر گیا باغ و راغ
ہما اور طوطی ہے ہر بوم زاغ
عجب ہے وہ مئے اور عجب ہے وہ جام
کہ پھر پیتے ہیں ہر خاص وعام

عجب ساقی ہے اور عجب یار ہیں
کہ مستی سے سارے ہی سرشار ہیں
وہ سرشار کیوں کر نہ ہوں مثل گل
ولایت ہی جام اورنبوت ہے مل
وہ ساقی جو خود ہے امام زماں
ہوا مفتخر اوس سے ہندوستاں
الٰہی ہمیشہ اس کو تو شاد رکھ
اور اس باغ کو اس سے آباد رکھ
دعامیں نے کی تم بھی آمین کرو
ذرایاس دیں اور آئین کرو

جمال محمدی کا بیان

حضرت شہیدؒ کو اپنے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ سے جو والہانہ عقیدت ومحبت تھی وہ پرتو تھا جمال وجلال محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کا، لہذا یہ کیسے ممکن تھا کہ نعت پاک کے صاف وشفاف رود بار میں ان کی شاعری کا کنول نہ کھلتا جس کے بارے میں محسن کاکوروی نے کہا ہے۔

مہر توحید کی ضوء اوج شرف کا مہ نور
شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول

آئیے اس کنول کے حسن و جمال کا نظارہ حضرت شہید کی شاعری میں تلاش کریں۔

حبیب خدا سید المرسلیں
شفیع الوریٰ ہادیٔ راہ دیں
نبی البرایا رسول کریم
نبوت کے دریا کا دریتیم
محمد ہی نام اس کا احمد لقب
بیاں کرسکے منقبت اس کی کب

دل اس کا جو ہے مخزن سرغیب
مبرا خطا سے ہے بے شک وریب
زباں اس کی ہے ترجمان قدم
ہوا باغ دیں جس سے رشک ارم
بظاہر جو ہے مقطع انبیاء
حقیقت میں ہے مطلع اصفیاء
سو اول ہی ہے ہر طرح اس کا نور
بظاہر کیا گو کے آخر ظہور

ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

جو اس میں تامل ذرا کیجئے
ابھی نکتہ باریک پا لیجئے
سو دستور ہے ناظموں کا تمام
کہ آخر کو ہوتا ہے ناظم کا نام
سو تھا انبیاء کا قصیدہ عجیب
ہوا ختم ان کا یہ نہج غریب
ان آنکھوں سے ہر چندوہ جسم پاک
بظاہر ہوا مختفی زیر خاک
ولے نور اس کا ہے قائم مقام
کہ ہر پاک دل میں ہے اس کا مقام
ہوا جلوہ گر آل واصحاب میں
جو تھے پیشوا دیں کے ہر باب میں
ہوا متصل ان کے احباب میں
جو ہیں کامل ان کے آداب میں

الٰہی ہزاروں درود وسلام
تو بھیج ان پر او ر اس کی امت پہ عام

مثنوی کا آغاز

مثنوی سلک نور کی ابتداء حمد وثناء سے کی گئی ہے، اس صنف جمال کی جمالیاتی اقدار ،ذوقی خصوصیات، اس کی سلوٹوں میں پوشیدہ بلاغت کے نمونے اور اثر انگیزی ودل پذیری اور انقلاب آفرینی کے واضح خدوخال کا عکس حضرت شہید کے ذیل کے اشعار میں ملاحظہ فرمایئے:۔

الٰہی تیرا نام کیا خوب ہے
کہ ہر جان کو وہی مطلوب ہے
اسی سے ہے ہر دل کوآرام وچین
وہی سب زمانوں کا ہے زیب وزین
بیاں کس طرح حمد تیری کرے
کہ ہے تو تو ادراک ہی سے پرے
ہمیں بس یہی تیرا ادراک ہے
کہ بیشک ہر اک عیب سے پاک ہے
تری ذات میں منحصر ہے کمال
تجھی میں ہے شان جمال وجلال
ترا حسن جب نورافشاں ہوا
بساط زمیں اس سے افشاں ہوا
چھینٹوں سے اس نور کے بے شمار
ابر و بحر اور کوہسار
کہیں لالہ وگل ہوئے اس کے نام
کہیں درو مرجاں ہے وہ لاکلام

کہیں لعل ویاقوت پایا خطاب
یہ ذرہ ہیں سب اور تو آفتاب

ادب کب معیاری ہوتا ہے

حضرت شہید کی یہ مثنوی اردو زبان وادب میں اعلیٰ معیار کی ہے، لیکن افسوس کہ اس طرف توجہ نہیں دی گئی، کیونکہ ادب کا ذوق جب فاسد ہوگیا تو نفس پرستوں، اور آوارہ مستوں کا تذکرہ کرنے والوں کو شعراء کی فہرست میں شامل کیا گیا، لیکن جو شاعر جنت کی آرزو، خلد بریں کی بہاروں اور نعمتوں کا وصف بیان کرتا ہے یا خدائے ذوالجلال سے اپنی محبت واشتیاق کا اظہار کرتا ہے تو اس کی طرف نگاہ نہیں اٹھایا جاتا، کوئی اپنے احساس، عشق ومحبت، شوق اور دل کی بے تابی کا تذکرہ کرتا ہے، تو ناقدین سر دھنتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمال حقیقی کا مشاہدہ کرنے والوں کے احساسات وخیالات جب شعری پیکر میں ڈھلتے ہیں، تو وہ صرف شعر نہیں ہوتے بلکہ وہ شعر کے پیکر میں اپنے وجود کا نچوڑ ڈھال دیتے ہیں اور پھر یہ شعر اپنی طاقت، رونق اور جمال ودلکشی میں نہایت معیاری اور بے مثال بن کر سامنے آتا ہے، کیونکہ وہ خشک الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کے پارہ ہائے جگر، اشکہائے چشم اور دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں جو سامعین کے دلوں میں اتر جاتے ہیں، وہاں صرف الفاظ کی بازیگری نہیں ہوتی نہ گل وبلبل کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، بلکہ اس میخانہ سے حکمت ودانائی کی ساقی گری کی جاتی ہے، اور یہی روح اور اسلامی ادب ہے۔

اسلام اسی کا داعی اور شیدائی ہے، حضرت شہیدؒ نے اس طرف بھی بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے، گل وبلبل کے باہمی ربط کو عام شعراء نے جس نظر سے دیکھا ہے، حضرت شہید نے اس پر زبردست تنقید کی ہے، اس کو بے روح، بے حقیقت اور غلط قرار دیا ہے، اور شاعری کے بلیغ پیکر میں اس نکتہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سننے والے پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ؎

کہ بلبل جو یوں عشق میں زار ہے
سو گل کے محبت سے سرشار ہے

اسی سے ہے اس کا یہ فرق سرور
اور اس کو ہے اپنا یہ کبر ذرور
اسی سے ہے اس کا یہ سب وجد وجمال
اسی کے یہ کرتے ہیں سب قیل وقال
سو یہ بات ہے شاعروں کی فقط
خیالات سارے ہیں ان کے غلط
حقیقت کیا ہے اس کی نشاندہی یوں فرمائی ہے۔ ؎
حقیقت میں کچھ ہے وہ سرقدم
جسے کہتے سنتے ہیں دونوں بہم
وہ کہہ کہہ کے روتا ہے زارونزار
یہ سن سن کے ہنستا ہے دیوانہ وار
زباں اس کی جاری ہے گر ذکر میں
تو دل اس کا مشغول ہے فکر میں
زباں اس کی گوچرب وچالاک ہے
ولے غیر سے اس کا دل پاک ہے
جوآہ وفغاں میں وہ بے ہوش ہے
تو سننے کی اس کو یہ خود گوش ہے
جو وہ ذکر میں مست وبے جان ہے
تو یہ دیدمیں چشم حیران ہے
اسی کا یہ جلوہ ہے کچھ منجلی
کہ جس سے کلی کو ہے یہ بے کلی

حرف آخر

حقیقت یہ ہے کہ اس مثنوی میں حضرت شہیدؒ کے عقیدہ کا نور ہر طرف چاندنی کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس کو بہت ہی حسیں و دلآویز پیکر میں ڈھال دیا ہے، یہ ان کی ادبی مہارت اور زبان و بیان پر قدرت کی واضح دلیل ہے، لیکن پھر بھی حضرت شہید کی عظمت صرف اس شاعری میں ڈھونڈنا نہ صحیح ہے اور نہ ہی یہ مقصود ہے، اس کی غرض یہ ہرگز نہیں کہ شاہ صاحب کو ایک عالم کی صف سے نکال کر شاعروں کی صف میں لا کھڑا کر دیا جائے، شاعری شاہ صاحب کے لئے کوئی کمال کی چیز ہوتی تو وہ اسے اپنا مستقل مشغلہ بناتے، یہ ان کے لئے ضمنی اور محض وقتی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر ان اوصاف کا اظہار نہ کیا جائے تو ایک سچائی مخفی رہتی، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی مثنوی سلک نور ''اردو'' تو اردو، شاعری کی نیاز میں نمایاں جگہ حاصل کرنے کی مستحق ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں سب کچھ لکھا مگر ان کی شاعری کا ذکر نہ کیا، میر صاحب نے ذکر تو کیا مگر بڑے پھیکے انداز میں اور وہ بھی صرف شاعری کرتے تھے، اور مرزا حیرت تو جہاں اتنی طویل داستان سرائی کرتے ہیں کہ حیات شہید کو افسانوی کتاب بنا دیا ہے، وہاں اس بڑی ضروری بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا کہ ان کی تخلیقات میں شعر کا بھی کچھ حصہ تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مجدّدِ اسلام حضرت سید احمد شہیدؒ

از: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۲ھ)

ہیں امیر کارواں حضرت امام المتقین — رہبر راہِ طریقت ہادیٔ دینِ مبیں
فخرِ سادات و امیر المومنین عالی مقام — سیّد احمد جو کہ ہیں اللہ والوں کے امام
پیکرِ صدق و صفا اور صاحبِ حلم و حیا — معدنِ عدل و ورع اور مصدرِ جود و سخا
ہند میں حق کا جنہوں نے بول بالا کر دیا — بے خدا انسان کو اللہ والا کر دیا
زندگی بخشی جہاد فی سبیل اللہ کی — حق کا متوالا بنایا رند کو گمراہ کو
جو بھی بیٹھا ایک لمحہ صحبت اکسیر میں — رہ گیا وہ عمر بھر پھر عشق کی زنجیر میں
اللہ اللہ ہے کشش کتنی رخ تنویر میں — جملہ جملہ وعظ کا ڈوبا ہوا تاثیر میں
اک نظر جس نے بھی دیکھا ہو گیا اُن کا غلام — ہو گیا پکا موحّد کی عبادت صبح و شام
آپ سے سب کا تعلق خادمانہ ہو گیا — غازیوں کو عشق ایسا والہانہ ہو گیا
دیکھتے ہیں روز و شب پُرنور صورت آپ کی — قدر ایسی! کیا کرے گا کوئی اپنے باپ کی
دیکھتے ہیں اور خوشی سے پھول جاتے ہیں سبھی — دیکھتے ہیں، ماسوا کو بھول جاتے ہیں سبھی
کتنی صورت ہے پیاری کیا ادا ہے دلربا — دیکھ کر یہ پیاری صورت یاد آتا ہے خدا
اک اشارہ ہو اگر تو جان دے دیں سب ابھی — کر دیں قرباں مال سارا آن دے دیں سب ابھی
گلشنِ اسلام میں ہے جن کے دم سے آب و تاب — آسمان ہند کا وہ ایک روشن آفتاب
جن کی پیاری ہر ادا پر زندگی کو ناز ہے — رحمت ہر نفس ہم راز ہے دم ساز ہے

مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

(شہادت ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ)

از: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۲ھ)

(۱۹۵۴ء میں پہلی بار بالاکوٹ جانا ہوا تو عین مغرب کے وقت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مرقد پر حاضری دی، ان کی زندگی اور راہِ خدا میں شہادت کا نقشہ آنکھوں میں آ گیا اور دل بے حد متاثر ہوا اور وہ اثر اشعار کی شکل میں زبان سے ظاہر ہوا۔)

ارض بالاکوٹ پر بہتا ہے دریائے کنہار
مغربی جانب ہے اس کے ایک گرتا آبشار
متصل کچھ کھیت ہیں اور ایک نالہ ہے قریب
چار دیواری کے اندر ایک واقع ہے مزار
تھی فضا خاموش بے حد پر سکوں ماحول تھا
وقت مغرب ہو رہا تھا سامنے تھا سبزہ زار
قبر پر چادر نہ تھی روشن نہ تھا کوئی
اور پھولوں کا مجھے کوئی نظر آیا نہ
تھی مگر اتنی کشش اتنا جمال اتنا جلال
ٹھہرتی آنکھیں نہ تھیں دل ہو گیا بے اختیار
یہ ہے مرقد حضرتِ مولانا اسمٰعیلؒ کا
مردِ مومن علم کے دریائے ناپیدا کنار

وہ عظیم المرتبت انسان، حق کا پاسباں
جو شریعت کا نشاں تھا زہد و تقویٰ کا شعار
خاک میں جس نے ملایا کفر کا سارا غرور
کر دیا جس نے روئے شرک و بدعت تارتار
خاندان شاہ ولی اللہ کا چشم و چراغ
معترف تھا جس کے علم و فضل کا سارا دیار
نائب ختم رسالتِ ہادی راہِ ہدیٰ
مرد دانا، مرد حق، علم و عمل کا تاجدار
سارے خطے ہند کے ہیں اس کی عظمت کے گواہ
سرحد و پنجاب و یوپی، اور بنگال و بہار
دل پذیری جس کی تقریروں کی اب تک یاد ہے
توبہ کرنے والیوں کی وہ قطار اندر قطار
جب پکارا سید احمدؒ مردِ حق آگاہ نے
پڑ گیا قدموں میں ان کے چھوڑ کر اپنا دیار
اللہ اللہ عشق کیسا ہو گیا تھا شیخ سے
شیخ کے دامن کو تھاما پھر چلا مستانہ وار
ہند میں وہ مردِ حق اللہ کی تلوار تھا
ہو گئے حملے سے اس کے کتنے طاغوتی شکار
دربدر اس کو لئے پھرتا رہا شوق جہاد
شہر و قریہ وادیاں جنگل بیاباں کوہسار
ہو گیا آخر شہید آکر کے بالاکوٹ میں
جھومتا بڑھتا ہوا وہ شوق میں دیوانہ وار

زندگی بھر جس نے توڑا شرک و بدعت کا صنم
اس کے مرقد پر پڑے پھر شرک و بدعت کا غبار؟

ظلم کتنا ہے اسے کچھ لوگ کہتے ہیں برا
جس نے حق پر جان دی اور کر دیا تن من نثار

نفس کے بندے اسے دیتے ہیں جتنی گالیاں
اتنا آتا ہے خدا کو اس مجاہد پر پیار

فاتحہ کے واسطے میں نے اٹھایا ہاتھ کو
اور یہ الفاظ تھے میری زباں پر بار بار

اے عظیم المرتت انسان! تجھ پر ہو سلام
آفتاب علم و تقویٰ! اے خلیق و بردبار

خاک وخوں میں تھا تڑپنا صرف حق کے واسطے
تجھ پہ نازل رات دن ہو رحمتِ پروردگار

دے جزا تجھ کو قیامت میں خداوند کریم
ساری ملت کی طرف سے بے حساب و بے شمار

ہے ضرورت آج تیری جرأت بیدار کی
دین پر پھر سے کیا ہے شرک نے بھرپور وار

میں نے اتنا ہی کہا تھا غیب سے آئی صدا
دیر سے اس قبر پر تو ہو رہا ہے اشکبار

بات تو جب ہے کہ تو اس مرد دانا کی طرح
بے جھجک آگے بڑھے حق پر کرے تن من نثار

آج پھر دینِ خدا پر آندھیوں کا زور ہے
گلشنِ اسلام سے روٹھی ہوئی ہے پھر بہار

بدنصیبی ہے کہ خود اپنے پرائے ہو گئے
آ پھر اسلام ہے جبر و تشدد کا شکار

خوب ہے وہ مرد جس کو درد ہو اسلام کا
دین کا خادم ہو دن میں اور ہو شب زندہ دار

تجھ کو سیدؒ اور اسماعیلؒ دیتے ہیں پیام
عیش کی کیا زندگانی موت سے ہو ہم کنار

شہیدانِ بالاکوٹ

شہادت گاہِ بالاکوٹ سے واپسی پر

از: حضرت سید نفیس الحسینی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۲۹ھ)

قبائے نور سے سج کر، لہُو سے با وضو ہو کر
فرشتے آسماں سے اُن کے اِستقبال کو اُترے
چلے اُن کے جِلو میں با اَدب، با آبرُو ہو کر
جہانِ رنگ و بُو سے ماوَرا ہے منزلِ جانا ں
وُہ گزرے اِس جہاں سے بے نیازِ رنگ و بُو ہو کر
جہادِ فی سبیل اللہ نصبُ العین تھا اُن کا
شہادت کو ترَستے تھے سراپا آرزُو ہو کر
وہ رُہباں شب کو ہوتے تھے تو فُرساں دن میں رہتے تھے
صحابہؓ کے چلے نقشِ قدم پر ہُو بہُو ہو کر
مُجاہد سَر کٹانے کے لئے بے چین رہتا ہے
کہ سَر اَفراز ہوتا ہے وہ خنجر در گلو ہو کر
سرِ میداں بھی اِستقبالِ قِبلہ وُہ نہیں بھولے
کِیا جامِ شہادت نوش انہوں نے قبلہ رُو ہو کر
زمین و آسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں

سحاب غم برستا ہے شہیدوں کا لہو ہوکر
شہیدوں کے لہو سے ارضِ بالاکورٹ مُشکیں ہے
نسیم صبح آتی ہے ادھر سے مُشکبو ہو کر
نفیس ان عاشقانِ پاک طینت کی حیات وموت
رہے گی نقش دہرا سلامیوں کی آبروں ہو کر

(۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء)

مدحت سبط قسیم کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از: حکیم مومن خان مومنؒ (متوفی ۱۸۵۲ء - ۱۲۶۷ھ)

گلابِ ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ — کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثرؐ ہے
وہ کون امام جہان و جہانیاں احمدؐ — کہ محض مقتدیٔ سنتِ پیمبرؐ ہے
زمیں کو مہرِ فلک سے نہ کیوں ہو دعویٔ نور — کہ اس کا رایتِ اقبال سایہ گستر ہے
عروجِ سنگِ درِ قصرِ جاہ یہ کہ جسے — ہزار طعنِ حضیض اوجِ لامکاں پر ہے
زبسکہ کام نہیں ہے اسے سوائے جہاد — جو کوئی اس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے
شرف ہے مہر کو اس کے زمانے سے دائم — زبسکہ روز و شب انصاف سے برابر ہے
وہ بادشاہِ ملائک سپاہ، کوکبِ دیں — کہ نورِ شمس و قمر جس کی گردِ لشکر ہے
وہ شعلہ خصلت الحاد سوز، کفر گداز — کہ جس کا نقشِ قدم مہرِ روزِ محشر ہے
وہ برقِ خرمنِ اربابِ شرک و اہلِ ضلال — کہ شعلہ خوشۂ حاصلِ تو دانہ اخگر ہے
وہ قہرمانِ فلک توسن و نجومِ حشم — کہ ترکِ چرخ غلام اس کا، مہر چاکر ہے

وہ شاہِ مملکتِ ایماں کہ جس کا سالِ خروج
''امامِ برحقِ مہدی نشاں علی فر'' ہے
ھ ۱ ۲ ۴ ۲

جو سیّد احمدؒ امام زمان و اہلِ زماں
کرے ملاحدِ بے دین سے ارادۂ جنگ
تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سال دغا
''خروجِ مہدیٔ کفّار سوز''، کلکِ تفنگ

۱	۲	ھ	۴	۲

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ کی دیدہ زیب طباعت

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	اول	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	250/-
〃 〃 〃 〃 〃	دوم	〃 〃 〃	350/-
〃 〃 〃 〃 〃	سوم	〃 〃 〃	300/-
〃 〃 〃 〃 〃	چہارم	〃 〃 〃	400/-
〃 〃 〃 〃 〃	پنجم	〃 〃 〃	350/-
〃 〃 〃 〃 〃	ششم	〃 〃 〃 〃	زیر طبع
〃 〃 〃 〃 〃	ہفتم	〃 〃 〃 〃	〃
		کل میزان ۱ تا ۵	**1650/-**
		مصارف مع ڈاک صرف	1000/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

ACOUNT N0 10863759700

Academy of Islmic Research & Publication

State Bank of India, Main Branch Lucknow (U.P)